سلسلہ نمبر ۳۹ بار اوّل ۲۰۰۰

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً

(رواہ البخاری)

وعظ

السُّرُوْرُ بِظُہُوْرِ النُّوْرِ

مُلَقَّبْ بِہٖ

اِرْشَادُ الْعِبَادِ فِیْ عِیْدِ الْمِیْلَادِ

(میلاد النبی پر خوشی منانے کا صحیح طریقہ)

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی

مولانا خلیل احمد تھانوی

ناشر

شعبہ نشر و اشاعت جامعہ دار العلوم الاسلامیہ

کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور ۱۸

فون پرانی انارکلی ۰۱- ۷۳۵۳۷۲۸

کامران بلاک ۹ ۴۴۸۰۶۰ ، ۵۴۱۴۳۸۶

ستمبر ۱۹۹۶ء

ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

السرور بظہور النور[1]

ملقب بہ[2]

ارشاد العباد فی عیدالمیلاد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ، و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ الہ و اصحابہ و بارک و سلم۔

امابعد: فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم.
قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیفرحوا ھوخیر مما یجمعون[3].
(اے محمد ﷺ آپ فرما دیجئے کہ صرف اللہ کے فضل و رحمت ہی کے ساتھ چاہیے کہ خوش ہوں اس لیے وہ بہتر ہے اس شئے سے کہ جس کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں)۔

تمہید

قبل اس کے کہ اس آیت کے متعلق میں کچھ بیان کروں اول بطور تمہید یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ چند سال سے میرا معمول ہے کہ ماہ ربیع الاول کے شروع میں ایک وعظ اس ماہ میں افراط و تفریط[4] کرنے والوں کی اصلاح کے متعلق

---

(۱) حضور ﷺ کے نور کے ظاہر ہونے پر مسرت (۲) اس وعظ کا لقب ہے "ارشاد العباد فی عید میلاد" یعنی بندوں کے لئے عید میلاد النبی ﷺ کے بارے میں ہدایت (۳) سورۃ یونس آیت ۵۸
(۴) کمی زیادتی کرنے والوں

کہا کرتا ہوں اور اس میں تبعاً و استطراداً[1] اور فوائد علمیہ و نکات و حقائق کا بیان بھی آجاتا ہے امسال[2] بھی ایسا ہی خیال تھا کہ ابتداء ربیع الاول میں ایسا وعظ ہو جائے لیکن وجہ التوا[3] یہ ہوئی کہ ہمارے مدرسہ کے متعلق ایک مکان طلبہ کے لئے بنا ہے خیال یہ ہوا کہ اس مکان میں اس کے افتتاح کے ساتھ یہ وعظ ہوتا کہ اس مکان میں برکت ہو لیکن اس کے افتتاح میں بعض امور[4] کا انتظار تھا اتفاق سے وہ جملہ امور دوشنبہ[5] کے روز ختم ہوئے چنانچہ اس روز ارادہ بیان کا ہوا لیکن بعض احباب کی رائے ہوئی کہ جمعہ کے روز جامع مسجد میں یہ بیان ہو تاکہ اور لوگ بھی منتفع[6] ہوں اس وجہ سے اس بیان میں دیر ہوئی اور عجیب اتفاق ہے کہ آج ۱۲ ربیع الاول ہی ہے اسی تاریخ میں لوگ افراط و تفریط کرتے ہیں اس تاریخ کا بالتخصیص[7] ارادہ نہیں کیا گیا اور نہ نعوذ باللہ اس تاریخ سے ضد ہے بلکہ الحمدللہ ہم اس میں برکت کے قائل ہیں مگر یہ اتفاقی بات ہے کہ اس بیان کا اس تاریخ سے اقتران[8] ہو گیا اور یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ متبع سنت[9] کو اللہ تعالیٰ بلا قصد[10] وہ برکات عنایت فرما دیتے ہیں کہ جن کا متبع رسوم و بدعات ارتکاب[11] بدعات کے ساتھ قصد کرتے ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جو شئے دائر بین السنت والبدعة (سنت اور بدعت کے درمیان) ہو تو اس سنت کو ترک کر دینا چاہیے پس یہ تاریخ اگرچہ بابرکت ہے اور حضور ﷺ کا ذکر شریف اس میں باعث مزید برکت کا ہے لیکن چونکہ تخصیص اس کی اور اس میں ذکر کا التزام[12] کرنا

---

(۱) اس کے تحت میں ذیلی طور پر (۲) اس سال (۳) تاخیر کی وجہ
(۴) کاموں (۵) پیر (۶) فائدہ اٹھا سکیں (۷) خاص طور پر
(۸) اس تاریخ پیدائش اور اس سے متعلق وعظ باہم متحد ہونے (۹) سنت کی پیروی کرنے والا
(۱۰) بغیر ارادہ کے (۱۱) بدعتوں کے کرنے کے ساتھ اس کا ارادہ کرتے ہیں
(۱۲) اس بات کو لازمی سمجھنا کہ اس تاریخ میں ضرور حضور ﷺ کا ذکر کیا جائے

چونکہ بدعت ہے اس لئے اس تاریخ کی تخصیص کو ترک کر دیں گے ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس تخصیص کے مفسدہ سے محفوظ رکھا اور اس تاریخ کی برکات سے بھی محروم نہیں رکھا اور عجیب بات ہے کہ اگر دوشنبہ کے روز بیان ہوتا تو ہم کو اس دن بھی یہی برکت حاصل ہوتی اس لئے کہ حضور ﷺ کی ولادت شریفہ اس یوم میں ہوئی ہے اور نیز بعض محققین اس طرف گئے ہیں کہ ولادت شریفہ ۸ ربیع الاول کو ہوئی ہے اور دوشنبہ کو آٹھویں ہی تاریخ تھی پس اس قول کے موافق ہم کو یوم البرکت[1] اور تاریخ البرکت[2] دونوں سے حصہ مل جاتا اور جمہور کے قول کے موافق ۱۲ ربیع الاول تاریخ ولادت شریفہ ہے اس لئے اب بھی اس تاریخ کی برکت سے محرومی نہ رہی بلکہ اب دو برکتیں حاصل ہو گئیں یوم کی بھی اور تاریخ کی بھی اس لئے کہ دوشنبہ کے روز نیت بیان کی تھی اور مومن کی نیت پر بھی ثواب کا وعدہ ہے یوم کی برکت یوں حاصل ہو گئی اور آج کہ ۱۲ تاریخ ہے اس کا وقوع ہو گیا تاریخ کی برکت اس طرح حاصل ہو گئی یہ برکت ہے اتباع سنت کی اور ہر چند کہ اس یوم میں افراط و تفریط کے متعلق بیان کرنا زائد معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ جو افراط و تفریط کرنا تھا آج ان لوگوں نے کر لیا ہوگا۔ پس اب اس بیان سے کیا فائدہ مگر یہ ایام چونکہ پھر بھی انشاء اللہ تعالیٰ آنے والے ہیں اور نیز علاوہ ربیع الاول کے اور دنوں میں بھی لوگ ایسی مجالس منعقد کرتے ہیں اور اس میں حدود شرعیہ سے متجاوز[3] ہوتے ہیں اس لئے اس کے متعلق بیان کر دینا خالی از نفع نہیں یہ مضمون تو بطور تمہید کے تھا۔

حضور ﷺ کا وجود سب سے بڑی نعمت ہے

اب آیت شریفہ کے متعلق عرض کرتا ہوں۔ جاننا چاہئے کہ اس میں کسی

---

(۱) برکت والا دن (۲) برکت والی تاریخ (۳) شرعی حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں

مسلمان کو شک و شبہ نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کی ہر نعمت قابل شکر ہے خاص کر جو بڑی نعمت ہو پھر خصوصاً دینی نعمت اور دینی نعمتوں میں سے خاص کر جو بڑی نعمت ہو پھر ان میں بھی خصوص وہ نعمت جو اصل ہے تمام دینی و دنیوی نعمتوں کی اور وہ نعمت کیا ہے حضور سید عالم ﷺ کی تشریف آوری کہ حضور ﷺ سے دینی نعمتوں کے تو فیوض دنیا میں فائض[۱] ہوئے ہی ہیں دنیوی نعمتوں کے سر چشمہ بھی آپ ﷺ ہی ہیں اور صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام عالم کے لئے چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین"[۲] یعنی نہیں بھیجا ہم نے آپ کو اے محمد ﷺ مگر جہانوں کی رحمت کے واسطے۔ دیکھئے عالمین میں کوئی تخصیص انسان یا غیر انسان یا مسلمان و غیر مسلمان کی نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا وجود با جود ہر شئے کے لیے باعث رحمت ہے خواہ وہ جنس بشر[۳] سے ہو یا غیر جنس بشر سے اور خواہ حضور ﷺ سے زمانا متاخر ہو یا متقدم[۴] متاخرین[۵] کے لئے رحمت ہونا تو بعید نہیں لیکن پہلوں پر رحمت ہونے کے لیے بھی حضور ﷺ کا ایک وجود سب سے پہلے پیدا فرمایا اور وہ وجود نور کا ہے کہ حضور ﷺ اپنے وجود نوری سے سب سے پہلے مخلوق ہوئے ہیں اور عالم ارواح میں اس نور کی تکمیل و تربیت ہوتی رہی آخر زمانہ میں اس امت کی خوش قسمتی سے اس نور نے جسد عنصری[۶] میں جلوہ گر و تابان ہو کر تمام عالم کو منور فرمایا۔ پس حضور ﷺ اولاً و آخراً[۷] تمام عالم کے لئے باعث رحمت ہیں۔ پس جب حضور ﷺ کا وجود تمام نعمتوں کی اصل ہونا عقلاً و نقلاً[۸] ثابت ہوا تو ایسا

---

(۱) عام (۲) سورۃ الانبیاء: آیت ۱۰۷ (۳) انسانوں کی جنس سے (۴) حضور ﷺ سے پہلے زمانے میں گذرے ہوں یا بعد میں آئیں (۵) بعد والوں (۶) جسم انسانی میں جلوہ افروز ہو کر (۷) ابتدائی و انتہائی طور پر (۸) عقلی طور پر بھی اور کتاب و سنت سے بھی

کون مسلمان ہوگا کہ جو حضور ﷺ کے وجود باجود پر خوش نہ ہو یا شکر نہ کرے۔ پس ہم پر خالص تہمت اور محض افتراء[1] اور نرا بہتان ہے کہ توبہ توبہ نعوذ باللہ کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے ذکر شریف یا اس پر خوش ہونے سے روکتے ہیں، حاشا و کلا[2] حضور ﷺ کا ذکر تو ہمارا جزو ایمان ہے۔

میلاد مروّجہ سے روکنے کی وجہ

ہاں جو شئے خلاف ان قوانین کے ہوگی جن کی پابندی کا ہم کو خود حضور ﷺ نے حکم فرمایا ہے اس سے البتہ ہم روکیں گے گرچہ فی نفسہ[3] وہ شئے مستحسن ہو اور شریعت میں اس کے نظائر بکثرت موجود ہیں دیکھو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عین دوپہر[4] کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ قبلہ سے منہ پھیر کر نماز پڑھنا ممنوع ہے اور یہ بھی سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ یوم النحر[5] اور یوم الفطر[6] میں روزہ رکھنا حرام ہے اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ ایام تشریق[7] میں افطار ضروری ہے اور یہ بھی تمام امت کا مسلّمہ مسئلہ[8] ہے کہ ماہ محرم میں حج نہیں ہوسکتا اور نیز محل حج مکہ مکرمہ ہی ہے بمبئی میں حج ممکن نہیں دیکھئے نماز، روزہ، حج فرض ہیں لیکن خلاف قاعدہ و قانون شریعت چونکہ کئے گئے اس لئے وہ بھی منہی عنہا[9] ہوگئے اور ان کے ممنوع ہونے کو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں پس اگر کوئی ایسے نماز، روزہ، حج کو منع کرے تو اس کو کوئی عاقل یوں نہ کہے گا اور یہ تہمت اس پر نہ لگائے گا کہ یہ شخص نماز، روزہ، حج سے روکتا ہے اگر نماز، روزہ سے روکتا تو خود ہی ان پر کیوں عامل ہوتا۔ اسی طرح مسئلہ

---

(۱) خالص جھوٹ (۲) ہرگز نہیں بلکہ (۳) گرچہ اپنی ذات کے اعتبار سے وہ چیز اچھی ہی کیوں نہ ہو (۴) زوال کے وقت (۵) بقر عید کے دن (۶) عید کے دن
(۷) ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ (۸) مانا ہوا مسئلہ ہے (۹) نماز، روزہ، فطرہ سے بھی روک دیا گیا

متنازعہ فیہا[1] کے اندر سمجھو کہ ہمارے حضرت کی نسبت یہ کہنا کہ یہ لوگ حضور ﷺ کی ولادت شریفہ کے ذکر یا اس پر خوش ہونے کو منع کرتے ہیں یہ نری تہمت اور افتراء ہے۔ "سبحانک ھذا بھتان عظیم"[2] (پاک ہے تو یہ بہتان عظیم ہے) حاشاللہ ہم ہرگز منع نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہر شئے کا ایک طریق ہوتا ہے جب وہ شئے اس طریق سے کی جاوے تو وہ پسندیدہ ہے ورنہ ناپسند اور قابل منع کرنے کے ہے۔ دیکھئے تجارت ہے اس کے لئے گورنمنٹ نے خاص قوانین مقرر کردئے ہیں اگر کوئی شخص ان قوانین کے خلاف تجارت کرے گا تو وہ ضرور قوانین کی خلاف ورزی میں ماخوذ[3] ہوگا۔ چھرہ، بارود کی تجارت وہی کرسکتا ہے جس نے لائسنس حاصل کرلیا ہو۔ اسی طرح شریعت میں بھی ہر شئے کا قاعدہ اور قانون ہے جب اس کے خلاف کیا جاوے گا تو وہ ناپسند اور منہی عنہ[4] ہوجائے گی۔ پس حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کا ذکر مبارک عبادت ہے لیکن دیکھنا چاہیے کہ قانون دان حضرات یعنی خود حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم جن کے اقتداء[5] کا ہم کو حکم ہے انہوں نے اس عبادت کو کس طرز اور طریق سے کیا ہے، اگر آپ لوگ اسی طریق سے کریں تو سبحان اللہ کون اس سے روکتا ہے اور اگر اس طریق سے نہ کیا جائے تو بیشک وشبہ وہ قابل روکنے کے ہے۔ اب فرمایئے کہ کیا ہم لوگ ذکر رسول ﷺ سے روکنے والے ہیں۔ اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی چھرہ، بارود کی تجارت کو لائسنس نہ ہونے کی وجہ سے منع کرے اور اس کو یہ کہا جاوے کہ یہ تو تجارت کو منع کرتے ہیں پس نفس فرح وسرور علی ذکر رسول ﷺ (ذکر رسول ﷺ پر خوشی) کو کوئی منع نہیں کرتا کہ وہ تو عبادت ہے، ہاں جب

---

(۱) جس مسئلہ میں جھگڑا ہے یعنی بارہ ربیع الاول کو خوشی منانا (۲) سورۃ النور: آیت ۱۶
(۳) پکڑا جائے گا (۴) منع کی ہوئی (۵) پیروی کرنے کو

اس کے ساتھ اقتران منہی عنہ[1] کا ہوگا تو وہ بے شک قابل ممانعت ہے۔

خوشی کی اقسام

فرح اور سرور[2] ہی کو دیکھ لیجئے کہ اس کی نسبت قرآن مجید میں ایک مقام پر تو ہے "لاتفرح" (خوش مت ہو) اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے "فلیفرحوا" (پس چاہیئے کہ خوش ہوں) جیسا اس آیت میں ہے معلوم ہوا کہ بعض فرح کے افراد ماذون فیہ[3] ہیں اور بعض منہی عنہا، اور ظاہر ہے کہ اعمال اخرویہ[4] میں ہمارے لئے معیار شریعت ہے پس شریعت کے قواعد سے جو فرحت جائز ہے اس کی تو اجازت ہے اور جو ناجائز ہے وہ ممنوع ہے چنانچہ جس جگہ "لاتفرح (مت خوش ہو) ہے وہاں دنیوی فرحت مراد ہے مگر وہی فرحت جو حدود سے تجاوز ہو ورنہ نفس فرح[5] نعمت دنیویہ پر بھی لوازم شکر سے ہے۔ اور جہاں امر کا صیغہ ہے وہاں نعمت دینی پر فرحت مقصود ہے لیکن وہی فرح جس میں قواعد شریعت سے تجاوز نہ ہو مثلاً اگر کوئی نماز پڑھے کہ وہ نعمت دینی ہے خوش ہو اور خوشی میں آکر یہ کرے کہ بجائے چار رکعت کے پانچ رکعت پڑھنے لگے تو بجائے اس کے کہ ثواب ہو الٹا گناہ ہوگا، اس لئے کہ اس نے شریعت کے قواعد سے تجاوز کیا، خود ذکر رسول ﷺ کہ جس میں اختلاف ہے اسی کو لے لیجئے کہ مسئلہ متفق علیہا[6] ہے کہ جو شخص چار رکعت والی نماز میں قعدہ اولیٰ میں تشہد کے بعد "اللھم صل علیٰ محمد" پڑھ دے تو نماز ناقص ہوگی حتیٰ کہ سجدہ سہو سے وہ نقصان منجبر[7] ہوگا اگر سہواً ایسا کیا دیکھئے درود شریف کہ جس کی نسبت ارشاد ہے "من صلی علیٰ

---

(۱) کوئی ایسی چیز مل جائے گی جس سے روکا گیا ہے تو بے شک اس سے منع کیا جائے گا
(۲) خوشی اور مسرت (۳) خوشی کی بعض قسم ایسی ہے جس کی اجازت ہے اور بعض ایسی ہے جس کی اجازت نہیں (۴) ایسے اعمال جو آخرت میں کام آئیں (۵) مطلق خوش ہونا
(۶) یہ مسئلہ سب کے نزدیک تسلیم شدہ ہے (۷) پورا ہوگا

مرۃ صلی اللہ علیہ عشراً او کما قال" یعنی جو شخص درود بھیجے مجھ پر ایک مرتبہ اس پر اللہ تعالیٰ دس مرتبہ رحمت فرماویں گے اور پھر موقع کونسا نماز لیکن حکم شرعی یہ کہ نماز میں نقصان آجائے گا تو اس کی آخر کیا وجہ ہے؟

بزہد وورع کوش وصدق وصفا
ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ ﷺ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
پندار سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز برپے مصطفےٰ ﷺ

(زہد و ورع اور صدق و صفا میں سعی کرو لیکن مصطفیٰ ﷺ سے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔ پیغمبر ﷺ کے راستہ کے خلاف جس نے دوسرا راستہ اختیار کیا ہرگز منزل مقصود کو نہ پہنچے گا۔ سعدی یہ گمان نہ کرو کہ سیدھا راستہ ہے بجز پیروی مصطفےٰ ﷺ کے نہیں چل سکتا)۔ پس حضور ﷺ نے جو موقع درود شریف کا نماز میں مقرر فرمادیا ہے چونکہ اس سے تجاوز[1] ہوا ہے اس لئے نماز میں نقصان آیا اگرچہ درود شریف فی نفسہ عبادت ہے اور یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر اہل بدعات کا بھی اتفاق ہے اس لئے کہ وہ بھی حنفی ہیں، پس ان کو چاہئے کہ امام صاحبؒ پر اعتراض کریں اور ان پر بھی یہ تہمت لگائیں کہ وہ توبہ توبہ ذکر رسول ﷺ سے منع کرتے ہیں اور وہ بھی وہابی تھے۔

حضور ﷺ کی ولادت پر خوش ہونے سے کون منع کرسکتا ہے؟

پس اے حضرات خدا سے ڈریئے اور اس مادہ فاسدہ[2] کو اپنے دماغ سے نکالئے ورنہ اس کا اثر دور دور تک سرایت کرے گا اور احکام میں نظر انصاف اور حق طلبی سے غور فرمایئے پھر اگر شبہات رہیں تو شائستگی اور تہذیب سے ان کو رفع

(۱) آگے بڑھ گیا ہے (۲) خراب مادے یعنی بری سوچ

فرمایئے اور خوب سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن مجید میں خود حضور ﷺ کے وجود باجود کی نسبت "کما سیجیٔ فی تفسیرالایۃ مفصلاً" (جیسا کہ آیت کی تفسیر میں عنقریب مفصل آئے گا)۔ صیغہ امر "فلیفرحوا" (پس خوش ہونا چاہیے) موجود ہے تو اس فرحت کو کون منع کر سکتا ہے۔ غرض حضور ﷺ کی ولادت شریفہ پر فرحت اور سرور کو کوئی منع نہیں کر سکتا اور یہ امر بالکل ظاہر ہے لیکن میں نے اس میں اس لئے تطویل[1] کی کہ ہم پر یہ افترا[2] ہے کہ یہ لوگ حضور ﷺ کے ذکر کو منع کرتے ہیں۔

ہر روز ہر مسلمان کم از کم ۲۸ مرتبہ ذکر رسول ﷺ کرتا ہے

صاحبو! حضور ﷺ کا ذکر مبارک تو وہ شئے ہے کہ اگر اس پر اجر کا بھی وعدہ نہ ہوتا تو خود حضور ﷺ کی محبت بمقتضائے "من احب شیئاً اکثر ذکرہ" (جو شخص کسی چیز سے محبت رکھتا ہے وہ اس کا ذکر اکثر کرتا ہے)۔ اس کو مقتضی[3] ہے کہ آپ ﷺ کا ہر وقت ذکر کیا کرے، اور چونکہ حضور ﷺ کا ذکر عین عبادت ہے اسی واسطے حق تعالیٰ نے خود اس قدر مواقع آپ کے ذکر کے مقرر فرمائے ہیں کہ مسلمان سے لامحالہ ذکر ہو ہی جاوے، دیکھئے نماز کے اندر ہر قعدہ میں "السلام علیک ایھاالنبیُّ" (اے نبی ﷺ تم پر سلام ہو) موجود ہے اور قعدہ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء میں دو دو ہیں اور فجر میں ایک تو کل نو قعدے ہوئے اور سنن موکدہ اور وتر میں لیجئے ظہر میں تین مغرب میں ایک عشاء میں تین اور صبح میں ایک تو کل سترہ قعدے ہوئے، پس یہ سترہ مرتبہ حضور ﷺ کا ذکر ہوا پھر پانچوں وقت فرائض اور سنن و وتر کے قعدۂ اخیرہ میں کل گیارہ مرتبہ درود شریف بھی پڑھا جاتا ہے، پس سترہ اور گیارہ کل اٹھائیس بار تو لامحالہ ہر مسلمان کو آپ ﷺ کا ذکر

---

(۱) تفصیل سے بیان کیا (۲) الزام (۳) اس بات کا تقاضا کرتی ہے

مبارک کرنا روزانہ ایسا ضروری ہے کہ اس سے کسی طرح مفر ہی نہیں۔ پھر پانچوں وقت اذان اور تکبیر ہوتی ہے اس میں اشہد ان محمدا رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں) موجود ہے، جس کو مؤذن اور سننے والا دونوں کہتے ہیں[1] پھر ہر نماز کے بعد دعا بھی سب ہی مانگتے ہیں اور دعا کے آداب میں سے کردیا گیا ہے کہ اس کے اول و آخر درود شریف ہو غرض اس حساب سے ستائیس سے بھی زیادہ تعداد حضور ﷺ کے ذکر شریف کی ہوگی اور یہ تو وہ مواقع ہیں کہ ان میں پڑھنے والے پڑھنے سب شامل ہیں اور جو طالب علم حدیث شریف پڑھتے ہیں وہ تو ہر وقت حضور ﷺ ہی کے ذکر میں رہتے ہیں اس لئے کہ ہر حدیث کے شروع میں آپ ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ درود شریف موجود ہے چنانچہ احادیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھئے اور ان میں جا بجا "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (فرمایا رسول خدا ﷺ نے، اللہ تعالیٰ ان پر درود و سلام بھیجے) اور "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم (فرمایا نبی ﷺ نے، اللہ تعالیٰ ان پر درود و سلام بھیجے) عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم" (نبی ﷺ سے روایت ہے، اللہ تعالیٰ ان پر درود و سلام بھیجے) واقع ہے۔ اور درمیان میں جہاں کہیں حضور ﷺ کا اسم مبارک آیا ہے وہاں بھی درود شریف موجود ہے گویا حضور ﷺ کے ذکر کو ایسا گوندھ[2] دیا ہے کہ بغیر ذکر کے مسلمان کو چارہ نہیں۔

ذکر رسول ﷺ ہر وقت ہونا چاہیئے

مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادیؒ سے کسی نے پوچھا تھا کہ ذکر

---

(۱) اذان کا جواب مسنون ہے، اس کے جواب میں وہی کلمات کہے جاتے ہیں جو مؤذن کہتا ہے سوائے "حی علی الصلوٰۃ" اور "حی علی الفلاح" کے کہ اس کے جواب میں "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کہنا ہے ۱۲۔ (۲) شریعت میں ایسا شامل کر دیا ہے کہ اس کے بغیر گزارہ نہیں

ولادت آپ کے نزدیک جائز ہے یا ناجائز؟ انہوں نے فرمایا کہ ہم تو ہر وقت ذکر ولادت کرتے ہیں اس لئے کہ ہر وقت کلمہ "لا الٰہ الااللہ محمد رسول اللہ" (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد ﷺ خدا تعالیٰ کے رسول ہیں) پڑھتے ہیں اگر آپ ﷺ پیدا نہ ہوتے تو ہم یہ کلمہ کہاں پڑھتے۔ پس محبت کا مقتضیٰ[1] تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کا ہر وقت ذکر ہو اور اس کے لئے اس کی ضرورت نہیں کہ اس کے لئے مجالس منعقد کی جاویں اور مٹھائی منگائی جاوے تب ذکر ہو۔ عاشق اور محب کو اتنی دیر کیسے صبر آسکتا ہے دیکھو اگر کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو محب کی کیا حالت ہوتی ہے کہ ہر وقت اس کی یاد میں بے قرار رہتا ہے اگر اس سے کوئی کہے کہ میاں ذرا ٹھہر جاؤ ہم مجلس آرائی کرلیں اور مٹھائی منگالیں اس وقت ذکر کیجیو[2] وہ کہے گا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری محبت کاذبہ[3] ہے کہ جو اتنی دیر تک تم ذکر محبوب سے صبر کرتے ہو۔ محبت تو وہ شئے ہے جیسے مجنوں کی حالت تھی کہ:

دید مجنون را یکے صحرا نورد   در بیابان غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود و انگشتان قلم   می نمودے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنون شیدا چیست این   می نویسی نامہ بہر کیست این
گفت مشق نام لیلےٰ می کنم   خاطر خود را تسلّی می کنم

(کسی نے مجنوں کو جنگل میں تنہا دیکھا کہ غمگین بیٹھا ہوا ہے، ریت پر انگلیوں سے کچھ لکھ رہا ہے۔ پوچھا اس نے اے مجنوں کسے خط لکھ رہے ہو کہنے لگا لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں)۔

بتلایئے کہ اگر مجنوں کو اس حالت میں کوئی یہ کہتا کہ ذرا ٹھہر جاؤ ہم مجلس بنالیں اور مٹھائی منگالیں اس وقت لیلیٰ کا ذکر کرنا تو وہ یہ جواب دے کہ سلام ہے

---

(۱) تقاضا   (۲) ذکر کرنا   (۳) جھوٹی

ایسی مجلس کو اور ایسی مٹھائی کو جو میرے اور میرے محبوب کے درمیان حجاب[1] ہو۔ ور ہم نے تو اکثر مجالس میلاد والوں کو یہی دیکھا ہے کہ یہ محبت سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔

محبت کا معیار

اس لئے کہ بڑا معیار محبت کا محبوب کی اطاعت ہے کسی نے خوب کہا ہے:

تعصی الرسول و انت تظهر حبه هذا لعمری فی الفعال بدیع

لوکان حبک صادقا لا طعته ان المحب لمن یحب مطیع

یعنی تو رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے اور ان کی محبت کو ظاہر کرتا ہے اپنی جان کی قسم یہ امر افعال عجیبہ میں سے ہے اگر تیری محبت صادق ہوتی تو ضرور تو حضور ﷺ کی اطاعت کرتا اس لئے کہ محب محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔

اور ان مولد پرستوں[2] کو دیکھا ہے کہ مجلس میلاد کا اہتمام کرتے ہیں بانس کھڑے کر رہے ہیں ان پر کپڑے مڈھ[3] رہے ہیں اور سامان روشنی کا فراہم کر رہے ہیں اور اس درمیان میں جو نمازوں کے وقت آتے ہیں تو نماز نہیں پڑھتے اور ڈاڑھی کا صفایا کرتے ہیں کیوں صاحبو! کیا محبین رسول ﷺ کی ایسی ہی صورتیں اور یہی ان کی حالت ہوتی ہے کیا بس حضور ﷺ کا اتنا ہی حق ہے کہ پانچ روپیہ کی مٹھائی منگائی تقسیم کردی اور سمجھ لیا کہ ہم نے رسول ﷺ کا حق ادا کردیا۔ کیا آپ لوگوں نے حضور ﷺ کو نعوذ باللہ کوئی پیشہ ور پیرزادہ سمجھا ہے کہ تھوڑی سی مٹھائی پر خوش ہوجاویں، تھوڑے سے نذرانہ پر راضی ہوجاویں: توبہ توبہ نعوذ باللہ۔ یاد رکھو! حضور ﷺ ایسے محبین سے خوش نہیں ہیں نہ سچے محب وہ ہیں

---

(۱) پردہ، رکاوٹ (۲) میلاد کو پسند کرنے والے (۳) کپڑے چڑھا رہے ہیں

جو اقوال و افعال، وضع، انداز[1] ہر شئے میں حضور ﷺ کا اتباع اور اطاعت کرتے ہیں۔ میرے ایک دوست حافظ اشفاق رسول نامی ہیں وہ ذکر رسول ﷺ کے فریفتہ ہیں وہ کبھی کبھی محبت کی وجہ سے ذکر ولادت مروج[2] طریق سے کیا کرتے تھے انہوں نے خواب میں حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم اس کی شفاعت نہ کریں گے جو ہماری بہت تعریف کرے ہم اُن کی شفاعت کریں گے جو ہماری اطاعت کرے۔ مطلب اس کا یہی ہے کہ جو شخص نرا[3] دعویٰ کرتا ہو اور نعتیہ اشعار بہت پڑھتا ہو لیکن اطاعت کرتا نہ ہو تو اس کی شفاعت نہ کریں گے۔ میں نے جو اصلاح الرسوم کتاب لکھی ہے اس میں ایک فصل ذکر میلاد کے متعلق بھی ہے چنانچہ وہ فصل طریقہ مولد[4] کے نام سے علحدہ بھی طبع ہو گئی ہے، تو جب یہ کتاب لکھی گئی تو مجلس میلاد کے متعلق کانپور میں لوگوں نے بہت شور کیا اسی اثناء میں ایک شخص صالح نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا اور اس اختلاف کے متعلق حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ اس میں صحیح کیا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اشرف علی نے جو لکھا ہے وہ سب صحیح ہے۔ میں نے حضور ﷺ کے حالات میں جو کتاب "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ" لکھی ہے اس کے آخر میں ان دونوں خوابوں کو مفصلاً درج کر دیا ہے لیکن میری غرض ان خوابوں کے ذکر کرنے سے مدعا[5] کا اثبات نہیں ہے اثبات مدعا[6] کے لئے تو مستقل دلائل ہیں یہ تو محض تائید اور مزید اطمینان کے لئے لکھ دیا ہے۔ الحاصل حضور ﷺ کا وجود باجود اصل ہے تمام نعمتوں کی اور اس پر شکر اور فرحت مامور بہ ہے۔

---

(۱) جو یہی باتوں، عمل اور لباس وغیرہ ہر چیز میں حضور ﷺ کی پیروی کرتے ہیں
(۲) حضور ﷺ کا ذکر ولادت موجودہ رائج طریقہ پر کرتے تھے (۳) صرف
(۴) میلاد کا طریقہ (۵) اپنے دعوے کو ثابت کرنا نہیں ہے (۶) دعوے کے ثبوت کے لئے

قرآن پاک کی صفات

چنانچہ جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اس میں اسی نعمت کا ذکر اور اس پر فرح کا امر[1] ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اس آیت کریمہ سے پہلے قرآن مجید کی شان حق تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے: "یاایها الناس قد جاءتکم من ربکم موعظة و شفاء لمافی الصدور و هدی و رحمة للمؤمنین"۔ یعنی (اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت اور دل کے امراض کے لئے شفا اور مومنین کے لئے ہدایت و رحمت آئی ہے)۔ اس میں حق تعالیٰ نے قرآن مجید کی چار صفتیں بیان فرمائی ہیں: ۱۔ موعظت، ۲۔ شفا، ۳۔ ہدیٰ، ۴۔ رحمت۔ موعظت کہتے ہیں وہ کلام جو بری باتوں سے روکنے والا ہے اور شفا اس کی صفت بطور ثمرہ کے فرمائی ہے یعنی نتیجہ اور ثمرہ اس موعظت پر عمل کرنے کا یہ ہے کہ دلوں کے اندر جو روگ[2] ہیں ان سے شفا حاصل ہوگی۔

گناہ کا نتیجہ

یہاں سے ایک تصوف کا مسئلہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ ہے یہ تو ظاہر ہے کہ ہم لوگ گناہ میں مبتلا ہیں اور شب و روز ہم سے لغزشیں ہوتی ہیں لیکن اس ابتلا[3] کے ساتھ دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ ہیں کہ گناہ کرتے ہیں اور ان کو اس کا کچھ احساس نہیں ہوتا اور ایک وہ جن کو احساس ہوتا ہے۔ سو الحمد للہ کہ ہم گو پھسلتے ہیں اور گناہ ہم سے صادر ہوتے ہیں لیکن اندھے نہیں ہیں کہ اس کی خبر ہی نہ ہو کہ راستہ کدھر ہے۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے آنکھیں عطا فرمائی ہیں گو بعض وقت نفس کے غلبہ و شرارت سے ان سے کام نہ لیں پس ان آنکھوں سے ہم کو صاف

---

(۱) خوش ہونے کا حکم دینا (۲) بیماریاں (۳) آزمائش

نظر آتا ہے کہ جب کوئی کبھی گناہ ہوا ہے اس سے قلب میں ایک روگ پیدا ہو گیا، اسی روگ کی نسبت حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "بل ران علیٰ قلوبہم ماکانوا یکسبون" (المطففین۔ پارہ: ۳۰) یعنی (بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کے رنگ کا غلبہ ہو گیا ہے)۔ اور اسی کی نسبت حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے تو قلب پر ایک داغ لگ جاتا ہے، اگر توبہ کرلے تو وہ مٹ جاتا ہے ورنہ بڑھتا ہے۔ مولاناؒ اسی کو فرماتے ہیں۔

ہر گناہ زنگے ست بر مرآة دل　　　دل شود زیں زنگہا خوار و خجل

چوں زیادت گشت دل را تیرگی　　　نفس دون را بیش گردد خیرگی

(ہر گناہ دل کے آئینہ پر ایک زنگ ہے کہ دل ان زنگوں سے خوار و شرمندہ ہوتا ہے جب دل کی تاریکی زیادہ بڑھ جاتی ہے نفس کمینہ کو اس سے خیرگی ہوتی ہے)۔

غرض گناہ کے اندر خاصہ ہے کہ قلب میں اس سے ایک روگ پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر اس کا تدارک[1] نہ کیا گیا تو وہ روگ اور بڑھ جاتا ہے۔

ارتکاب گناہ سے تقاضا بڑھتا ہے

یہاں پر بعض اہل سلوک کو ایک عجیب دھوکا ہوا ہے اور ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ شیطان ان کو گناہ کی رغبت دیتا ہے اور ساتھ ہی اس کے قوت نور ایمان گناہ سے روکتی ہے جس سے وہ رک جاتا ہے لیکن شیطان تو اس سے بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے وہ جب دیکھتا ہے کہ اس طور سے میرا قابو نہیں چلتا تو وہ گناہ کے اندر ایک دینی مصلحت بتاتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ اگر تم نے یہ گناہ نہ کیا تو ہمیشہ تمہارے دل میں یہ کانٹا سا کھٹکتا رہے گا۔ اور اگر ایک دفعہ دل بھر کر کرلو گے تو

---

(۱) علاج

دل میں سے اس کا وسوسہ جاتا رہے گا بس اس سے فراغت ہو جائے گی، اس میں بڑے بڑے سمجھدار لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں لیکن مومن کامل کو اللہ تعالیٰ نے ایک نور عطا فرمایا ہے کہ وہ اس کے لاکھوں تار و پود کو اس نور کے ذریعہ سے توڑ پھوڑ دیتا ہے، (چنانچہ عنقریب اس مغالطہ کا حل آتا ہے) اسی واسطے تو حدیث شریف میں آیا ہے: "فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد" یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ گراں ہے. کسی نے اس مضمون کو نظم بھی کر دیا ہے:

فان فقیها واحداً متوارعا اشد علی الشیطان من الف عابد

یعنی (بلاشبہ ایک پرہیزگار فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے)۔ یہ غلطی ہے جو اہل سلوک کو ہوتی ہے اور اہل سلوک کو جو غلطی ہوتی ہے دراصل غلطی وہی ہے اور وہ بہت سخت ہوتی ہے اسی واسطے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ تم کو تو گناہ سے اندیشہ ہے اور ہم کو کفر سے اندیشہ ہے بڑا خطرناک راستہ ہے بس عافیت اس میں ہے کہ اس میں اپنی رائے کو دخل نہ دے اور کالمیت بید الغسال (مثل مردہ کے غسال[1] کے ہاتھ میں) بدست محقق ہو کر رہے شیخ شیرازی اسی مضمون کو فرماتے ہیں:

اگر مرد عشقی کم خویش گیر دگرنہ عافیت پیش گیر

یعنی گر مرد عشق ہو تو اپنے کو گم کردو یعنی اپنی رائے کو دخل نہ دو بلکہ یہ مشرب اختیار کرو:

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست کفر ست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

(عالم عاشقی میں اپنی فکر و رائے بالکل بیکار ہے اس مذہب میں خود بینی اور خود رائی[2] کفر ہے)۔ جیسے اس شخص نے خود رائی کی کہ شریعت تو حکم کر رہی ہے

---

(۱) غسل دینے والے کے ہاتھ میں (۲) اپنی رائے کو دخل دینا اور خود کو کچھ سمجھنا

کہ: "لاتقربوا الزنا" (زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو) یہ اپنی رائے سے کہتا ہے کہ میں زنا سے جب بچ سکوں گا جب جی کھول کر پانچ چھ مرتبہ زنا کرلوں گا اور اس احمق کو اتنی خبر نہیں کہ مرض کو اس سے اور زیادہ قوت ہوگی جیسے کسی شاعر کا شعر ہے:

کنار و بوس سے دونا ہوا عشق　　　مرض بڑھتا رہا جوں جوں دوا کی

یہ بیوقوف تو سمجھتا ہے کہ درخت میں پانی دینے سے اس کی جڑ نرم اور کمزور ہو جائے گی پھر اس کو سہولت سے باہر نکال لوں گا، مگر وہ پانی دینے سے اور زیادہ نیچے کو دھنستی اور زور پکڑتی جاتی ہے گناہ کرنے کے بعد اس کو قلب خالی معلوم ہوتا ہے اور خبر نہیں کہ وہ گناہ پہلے حوالی قلب[1] میں تھا اس لئے اس کو محسوس ہوتا تھا اور اب عروق کے اندر پیوست[2] ہوگیا اس وجہ سے اس کو محسوس نہیں ہوتا اور وقت پر بہ نسبت سابق[3] کے بہت زور کے ساتھ برآمد ہوگا[4] اور یہ نہیں سمجھتا کہ اب تو اس کا استیصال[5] سہل ہے اور پھر مشکل ہوگا بقول شیخ شیرازی:

سرچشمہ شاید گرفتن بمیل　　　چو پُر شد نشاید گذشتن بہ پیل

درختے کہ اکنوں گرفتست پائے　　　بہ نیروئے شخصے برآید زجائے

وگر ہمچناں روزگارے ہلی　　　بگردونش از بیخ بر نگسلی

(چشمے کے سوراخ کو ایک کیل سے بند کرسکتے جب پر ہو جائے تو، تو ہاتھی بھی اس میں نہیں گذر سکتا جس درخت نے ابھی جڑ نہیں پکڑی ہے ایک آدمی کی طاقت سے اکھڑ سکتا ہے اگر کچھ زمانہ تک اس کو اسی طرح چھوڑدو تو اس کو جڑ سے آلہ گردوں سے بھی نہیں اکھاڑ سکتے)۔

الحاصل گناہ ایسی شئے ہے خواہ بڑا ہو یا چھوٹا اس سے قلب میں ایک روگ

---

(۱) دل کے ارد گرد تھا　　(۲) رگوں میں اتر چکا ہے　　(۳) پہلے کی نسبت

(۴) نکلے گا　　(۵) جڑ سے اکھاڑ پھینکنا آسان ہے

پیدا ہو جاتا ہے۔ پس ارشاد ہے کہ قرآن مجید ایسی موعظت ہے کہ اگر اس پر عمل کرو گے تو وہ دلوں کے روگ کے لئے باعث شفا ہوگا۔ اور تیسری صفت قرآن مجید کی ھدی ارشاد فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نیک راہ کو بتلانے والا ہے اور جو تھی صفت رحمت بطور ثمرہ ہدیٰ کے فرمائی ہے یعنی نتیجہ اور ثمرہ اس پر عمل کرنے کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوگی۔ پس قرآن مجید میں مذکورہ بالاصفات کو جمع کردیا ہے اور للمؤمنین (مومنین کے لئے) کی قید اس لئے لگائی کہ گو مخاطب تو اس کے سب ہیں لیکن منتفع اس سے مومنین ہی ہوتے ہیں۔

خوشی کا موقع

اب اس آیت کے بطور تفریع ارشاد ہے: "قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون"۔ یعنی (اے محمد ﷺ آپ فرمادیجئے کہ اللہ کے فضل و رحمت ہی کے ساتھ بس صرف چاہیئے کہ خود خوش ہوں (اس لئے کہ) وہ بہتر ہے اس شئے سے کہ جس کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں) یعنی متاع دنیا[1] سے یہ بہتر ہے اور عجیب بلاغت ہے کہ پہلے مضمون کا تو حق تعالیٰ نے خود اپنی طرف سے خطاب فرمایا چنانچہ ارشاد ہے: "یاایھاالناس" (اے لوگو) اور اس دوسرے مضمون کی نسبت حضور ﷺ کو حکم دیا کہ آپ کہیئے، اس میں ایک عجیب نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ طبعی بات ہے کہ احکام یعنی امر و نہی[2] انسان کو ناگوار اور گراں ہوتے ہیں اس لئے احکام تو خود ارشاد فرمائے تاکہ حضور ﷺ کی محبوبیت محفوظ رہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کے ساتھ فرحت کے امر[3] کو حضور ﷺ کے سپرد فرمایا کہ اس سے حضور ﷺ کے ساتھ اور زیادہ محبت مخلوق

---

(۱) دنیا کا سامان (۲) کسی کام کا حکم دینا، کسی سے روکنا (۳) خوشی کے حکم

کو بڑھے باقی اس سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ بہت جگہ حضور ﷺ کو بھی احکام پہونچانے کا حکم ہے اس لئے یہ نکتہ اس مقام کے متعلق ہے اور دوسری جگہ دوسرا نکتہ اور حکمت ہو سکتی ہے۔ بہر حال دو چیز پر خوش ہونے کا حکم ہے فضل اور رحمت اور یہ فضل بھی رحمت ہی کے افراد میں سے ہے صرف فرق اس قدر ہے کہ فضل کے اندر معنی زیادتی کے ہیں۔

رحمت کے مراتب

خلاصہ یہ ہے کہ رحمت بمعنی مہربانی کے دو مرتبے ہیں ایک نفس مہربانی اور ایک زائد یا یوں کہو کہ ایک وہ مرتبہ جس کا بندہ بحیثیت جزاء کے اپنے کو مستحق سمجھتا ہے اور ایک زائد، اگرچہ پہلے مرتبہ رحمت کا اپنے کو مستحق سمجھنا بندہ کی جہالت ہے اور وجہ اس زعم استحقاق کی[1] یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر ہر شخص کو ایک ناز ہوتا ہے بلکہ اگر غور کیا جاوے تو ہم لوگوں میں ناز[2] ہی کی شان رہ گئی۔ بے نیاز[3] بالکل نہیں رہا۔ اس لیے کہ اگر نیاز ہوتا تو ہم سے نافرمانی نہ ہوتی دیکھ لیجئے کہ حکام دنیا کے ساتھ نیاز ہے اس لیے ان کی نافرمانی نہیں کرتے نہ ان پر نخرے کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ بالعکس[4] ہے۔ جس کا زیادہ سبب یہ ہے کہ رحمت ہی بے انتہا ہے حتیٰ کہ فوری سزا نہیں دی جاتی، سو جس قدر رحمت بڑھتی جاتی ہے اس رحمت و عنایت کو معلوم کر کے اسی قدر اعراض[5] ان حضرت کا زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک

---

(۱) اپنے آپ کو مہربانی کا مستحق سمجھنے کے گمان کی وجہ (۲) اللہ کی کثرت رحمت کی وجہ سے خود کو اس کا محبوب سمجھ کر ناز کا تعلق قائم کر لیا یعنی نخرے کرنے لگے (۳) حکومت کا ڈر ہے کہ احکام نہیں مانیں گے تو سزا ہوگی اس لئے نیازمندی کا تعلق قائم کیا یعنی غلامانہ طور پر ہر حکم۔
(۴) اس کے الٹ ہے (۵) بے توجہی

گدھا ہمیشہ کسی کے کھیت میں گھس جایا کرتا تھا ایک روز کھیت والے نے اس کے کان میں کہہ دیا کہ مجھ کو تجھ سے محبت ہے اس روز سے اس نے وہاں آنا چھوڑ دیا، پس اسی طرح حق تعالیٰ کی اس قدر عطایا[1] اور بے انتہا رحمتیں ہیں کہ ہم لوگوں کو ناز ہوگیا اور اپنی جہالت سے یہ سمجھ گئے کہ ہم بھی محبوب ہیں بس لگے نخرے بگھارنے۔ مگر چونکہ ناز کی لیاقت نہیں ایسے ناز کا انجام بجز[2] ہلاکت کے کیا ہوگا۔ جیسے کسی بے وقوف نے ایک سپاہی کو دیکھا کہ وہ اپنے گھوڑے کو دانہ کھلا رہا ہے اور وہ گھوڑا کبھی ادھر منہ کرلیتا ہے کبھی ادھر منہ پھیرتا ہے اور یہ شخص جس طرف وہ منہ کرتا ہے اسی طرف دانہ لے جاتا ہے اور کبھی اس کی پیٹھ سہلاتا ہے اور کبھی منہ پر ہاتھ پھیرتا ہے اور کہتا جاتا ہے کہ بیٹا کھاؤ۔ اس بے وقوف نے جب یہ دیکھا تو اپنے دل میں کہا کہ مجھ سے تو یہ گھوڑا ہی بہتر ہے میری بیوی تو مجھ کو بڑی ذلت سے روٹی دیتی ہے۔ آج سے گھوڑا بننا چاہیے۔ یہ سوچ کر گھر پہنچے اور بیوی سے کہا کہ آج تو ہم گھوڑا بنیں گے وہ بھی بڑی شوخ تھی اس نے کہا کہ میری بلا سے آپ گھوڑا بنیں یا گدھا۔ اس شخص نے کہا کہ میں گھوڑا بنتا ہوں تم میری پیٹھ سہلانا اور دانہ میرے سامنے لانا اور یہ کہنا کہ بیٹا کھاؤ میں ادھر ادھر منہ پھیروں گا۔ غرض یہ الو کی دم گھوڑے کی طرح کھڑا ہوا بیوی صاحبہ بھی عقلمند تھیں ایک چادر جھول کی بجائے اس پر ڈالی اور گاڑی پچھاڑی[3] اس کی باندھ دی اور دم کی جگہ جھاڑو لگائی اور دانہ سامنے لائی اور کہا بیٹا کھاؤ، رات کا وقت تھا اور اتفاق سے چراغ پیچھے رکھا تھا جب اس نے ادھر ادھر منہ پھیرا اور دولتیاں چلائیں تو چراغ کی لو جھاڑو میں لگ گئی اور آگ بھڑک اٹھی بدحواسی میں یہ تو خیال نہ رہا کہ رسیاں کھول دے شور مچا دیا کہ لوگو دوڑو میرا گھوڑا جل گیا، محلہ والوں نے جانا کہ یہ پاگل یا مسخری

---

(۱) بخششیں (۲) سوائے (۳) آگے پیچھے۔ دونوں طرف سے باندھ دی۔

ہے اس کے یہاں گھوڑے کہاں ؟ یہ یوں ہی بیہودہ بکتی ہے۔ غرض وہ گھوڑے صاحب وہیں جل بھن کر خاک سیاہ ہوگئے۔ یہ انجام ہوتا ہے ایسے نخرے اور ناز کا۔

صاحبو! ناز کے لیے صورت بھی تو ہو الو جب ناز زیبا ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں:

ناز را روئے بباید ہمچو ورد　　　چوں نداری گرد بد خوئی مگرد

زشت باشد روئے نازیبا و ناز　　　عیب باشد چشم نابینا و باز

(ناز کرنے لئے گلاب جیسے چہرہ کی ضرورت ہے جب تم ایسا چہرہ نہیں رکھتے تو بدخوئی کے پاس بھی نہ جاؤ بدصورتی پر ناز برا ہے آنکھ نابینا کا کھلا ہونا عیب ہے)۔

ہمارا کیا ناز ہم کو تو نیاز چاہیے لیکن حق تعالیٰ کے کرم اور رحمت بے انتہا سے ہم لوگوں کی عادتیں بگڑ گئی ہیں چاہیے تو یہ تھا کہ جس قدر رحمت ہوتی شرماتے ور تضرع[1] و نیاز زیادہ ہوتی مگر یہاں بالعکس ہے۔ اس لیے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ کو یہ کہا جاوے: ماغرک بربک الکریم" یعنی کس شئے نے دھوکہ میں ڈالا تجھ کو اپنے رب کریم کے ساتھ تو میں جواب دوں گا "قد غرنی کرمک" یعنی آپ کے کرم نے مغرور کردیا۔ یعنی میں خلاف مقتضائے کرم[2] اس کرم پر مغرور ہوگیا۔ مقصود یہ ہے اور اس کو عذر گردانتا[3] مقصود نہیں۔ پس یہ سارا ناز اس وجہ سے ہے کہ حق تعالیٰ کی عطایا زائد ہیں اور مواخذات[4] کم ہیں اور اگر یہ ہوتا کہ جب گناہ کرتے تو غیب سے ایک چپت لگتا تو تمام ناز ایک طرف رکھا رہ جاتا اور کبھی گناہ نہ ہوتا چنانچہ بعض بزرگوں کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا بھی ہے۔

ایک بزرگ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور نہایت خوف زدہ تھے اور یہ

---

(۱) عاجزی و نیازمندی　(۲) ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میں دھوکے میں نہ پڑتا لیکن میں اپنی بے وقوفی سے اس کرم کے تقاضے کے خلاف دھوکے میں پڑ گیا　(۳) عذر شمار کرنا　(۴) پکڑ

کہتے جاتے تھے "اللّٰھم انی اعوذ بک منک" (اے اللہ میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں) کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ کی کیا حالت ہے انہوں نے فرمایا کہ طواف کرتے ہوئے میں نے ایک مرتبہ نظر بد سے دیکھ لیا تو غیب سے میری آنکھ پر ایک ایسا زور سے چپت لگا کہ میری آنکھ پھوٹ گئی اور یہ ارشاد ہوا "ان عدتم عدنا" اگر تم پھر کرو گے تو ہم پھر یہی سزا دیں گے۔ غرض حق تعالیٰ پر ایسا ناز ہے کہ اس کی وجہ سے ہر شخص اپنے کو کسی نہ کسی رحمت کا مستحق سمجھتا ہے۔ چنانچہ اتنا تو ضرور جانتا ہے کہ مجھ کو کھانے، پہننے کو ملے اور اگر اس میں کچھ کمی ہوتی ہے تو شکایت کرتا ہے۔ اگر یہ شخص اپنے کو مستحق نہ جانتا تو شکایت نہ کرتا اس لیے کہ شکایت اسی کی کیا کرتے ہیں جس پر حق سمجھتے ہیں۔ ایک گنوار کا بیٹا مر گیا تھا تو آپ کہتے ہیں کہ میرے بیٹے کو تو مار دیا اور عیسیٰ علیہ السلام جو ذرا نام لگ گیا تھا اس کو گود میں اٹھا لیا۔ مگر اللہ اکبر کیا رحمت ہے سب کچھ سنتے ہیں اور کچھ سزا نہیں دیتے اور دوسری مثال لیجئے دیکھئے اگر کسی کو دس روپیہ ماہوار ملتے ہیں تو ان پر تو شکر نہیں کرتا اور اگر کہیں سے زائد مل جاوے تو اس کو رحمت حق تعالیٰ کی جانتا ہے اس پر شکر کرتا ہے یہ صاف دلیل ہے اس کی کہ ان دس روپیہ کا اپنے کو مستحق جانتا ہے۔ ایک جاہل اکھڑ[1] کے سامنے کسی نے دال روٹی کھائی اور کھا کر کہا کہ الحمد للہ اے اللہ تیرا شکر ہے، تو بے وقوف کہتا ہے کہ توبہ توبہ ایسے ہی لوگوں نے اللہ میاں کی عادت بگاڑ دی کہ دال روٹی کھا کر شکر کرتے ہیں بس وہ ان کو دال روٹی ہی دے دیتے ہیں ہم تو بدون بکرے کے کبھی شکر نہیں کرتے پس ہم کو وہ بکرے دے دیتے ہیں نعوذ باللہ۔ بہرحال ہر شخص اپنے کو کسی نہ کسی رحمت کا مستحق سمجھتا ہے حالانکہ یہ غلطی ہے، اگر کوئی شخص ایسا جانتا ہو جیسا کہ طرز معاملہ

---

(۱) سخت مزاج

سے معلوم ہوتا ہے تو اس کو اس غلطی کی اصلاح کرنا چاہیے اس لیے کہ اس کا تعلق عقیدہ سے ہے۔

معتزلہ کا رد

معتزلہ[1] کو بھی اس مسئلہ میں غلطی ہوئی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہمارا حق ہے اور ان کو یہ دھوکہ ہوا ہے قرآن شریف کی بعض آیتوں کے نہ سمجھنے سے چنانچہ ارشاد ہے: "وکان حقاً علینا نصر المؤمنین" یعنی (مومنین کی نصرت ہم پر حق ہے) اس آیت اور اس کے ہم معنی اور آیات سے معتزلہ نے یہ سمجھا کہ حق تعالیٰ کے ذمے بندوں کا حق ہے لیکن اہل سنت سمجھ گئے کہ یہ دھوکہ ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ غنی بالذات اور "لا یُسئل عما یفعل" (جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے پوچھا نہیں جاسکتا) ان کی صفت ہے ان پر کسی کا حق نہیں ہوسکتا جس کے ساتھ جو معاملہ چاہیں کریں وہ سب مستحسن ہے اور معنی ان آیات کے یہ ہیں کہ اس صیغہ سے ہم کو نصرت وغیرہا[2] کا یقین دلایا گیا ہے جس کو وعدہ فضل کہتے ہیں، جیسے کوئی حاکم کسی امیدوار سے کہے کہ اب تم یقین رکھو اب ہم نے تمہارا یہ کام ضروری سمجھ لیا ہے، تو وہ امیدوار و سائل جانتا ہے کہ یہ حاکم کی مہربانی ہے ورنہ کرنا نہ کرنا، دونوں قانوناً ان کے اختیار میں ہے ان کے ذمہ لازم نہیں خلاصہ یہ ہے کہ رحمت کے دو درجے ہیں ایک کا تعلق تو اس کی ضروریات سے ہے جس کا اپنے کو مستحق سمجھتا ہے اس درجہ کو تو رحمت فرمایا اور دوسرا زائد اس کو فضل سے تعبیر فرمایا۔ اور آیت کے الفاظ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مراد رحمت و فضل سے قرآن مجید ہے اور اس میں بھی یہی دو درجے ہیں ایک وہ درجہ جو مدار ہماری نجات کا ہے وہ تو ضرورت کا مرتبہ ہے، اور ایک وہ جو اس سے زائد

---

(۱) ایک فرقہ باطلہ کا نام ہے (۲) مدد وغیرہ

ہے۔ بہر حال دونوں سے مراد قرآن مجید ہے اور اس پر خوش ہونے کا امر ہے یہ تفسیر اور گفتگو تو الفاظ آیت کے خصوصیت میں نظر کرنے کے اعتبار سے تھی۔

فضل ورحمت کی مراد اور اس کا حکم

اب قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر دیکھنا چاہیے کہ ان دونوں لفظوں سے کیا مراد ہے: تو جاننا چاہیے کہ قرآن مجید میں یہ دونوں لفظ بکثرت آئے ہیں کہیں دونوں سے ایک ہی معنی مراد ہیں کہیں جدا جدا چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے: "فلو لا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لکنتم من الخسرین۔"[1] (اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو البتہ تم ٹوٹا[2] پانے والوں میں سے ہو جاتے)۔ یہاں اکثر مفسرین کے نزدیک فضل اور رحمت سے حضور ﷺ کا وجود باجود مراد ہے۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے: "ولولا فضل اللہ علیکم و رحمتہ لاتبعتم الشیطان الا قلیلا "۔[3] (اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو بجز تھوڑے لوگوں کے تم شیطان کی پیروی کرتے)۔ یہاں بھی بقول اکثر مفسرین حضور ﷺ ہی مراد ہیں ایک مقام پر ارشاد ہے: "و لولافضل اللہ علیک و رحمتہ لھمت طائفۃ منھم ان یضلوک"۔[4] (سو اگر تجھ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو البتہ ان میں سے ایک گروہ نے تجھ کو گمراہ کرنے کا رادہ کر لیا تھا) یہاں مراد فضل اور رحمت سے قرآن مجید ہے۔ اور بعض آیات میں فضل سے مراد راحت دنیوی اور رحمت سے رحمت دینی مراد ہے چنانچہ فضل بمعنی رزق، نفع دنیوی قرآن مجید میں آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: "لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم"[5]۔ یہاں فضل سے مراد تجارت ہے اس لئے

---

(۱) البقرہ: آیت ۶۴ (۲) خسارہ (۳) النساء: آیت ۸۳ (۴) النساء: آیت ۱۱۳
(۵) البقرہ: آیت ۱۹۸

کہ یہ آیت حج کے موقع کی ہے بعض لوگ مال تجارت حج کے سفر میں ساتھ لے جانے کو مکروہ جانتے تھے ان کو ارشاد ہے کہ (اس میں کچھ گناہ نہیں کہ تم (حج میں) اپنے رب کا فضل طلب کرو)۔ حدیث شریف میں بھی رحمت سے رحمت دینی اور فضل سے رحمت دنیوی یعنی رزق یا اسباب رزق مراد ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو تو یہ کہو: "اللهم افتح لنا ابواب رحمتک" (اے اللہ ہمارے لئے رحمت کے دروازے کھول دے) یہاں رحمت سے رحمت دینی مراد ہے، اس لئے کہ مسجد میں وہی مطلوب ہے، اور جب مسجد سے نکلو تو یہ کہو: "اللهم افتح لنا ابواب فضلک" (اے اللہ ہمارے لئے رزق کے دروازے کھول دے) اس لئے کہ مسجد سے باہر جا کر تحصیل معاش[1] میں مشغول ہو جاتے ہیں تو وہاں اس کی طلب ہے۔ اور جیسے سورۂ جمعہ میں ارشاد ہے: "فاذا قضيت الصلوة فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل الله".[2] (پس جبکہ نماز ادا ہو جائے تو تم زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ سے روزی تلاش کرو)۔ یہاں فضل سے مراد رزق ہے۔ پس مجموعہ تمام تفاسیر کا دنیوی رحمتیں اور دینی رحمتیں ہوا۔

اس مقام پر ہر چند کہ آیت کے سیاق[3] پر نظر کرنے کے اعتبار سے قرآن مجید مراد ہے لیکن اگر ایسے معنی عام مراد لئے جاویں تو قرآن مجید بھی اس کا ایک فرد رہے تو یہ زیادہ بہتر ہے، وہ یہ ہے کہ فضل اور رحمت سے مراد حضور ﷺ کا قدوم مبارک[4] لیا جاوے اس تفسیر کے موافق جتنی نعمتیں اور رحمتیں ہیں خواہ وہ دنیوی ہوں یا دینی، اور اس میں قرآن بھی ہے، سب اس میں داخل ہو جائیں گی۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کا وجود باجود اصل ہے تمام نعمتوں کی

---

(۱) رزق حاصل کرتے ہیں (۲) الجمعہ: آیت۔ ۱۰ (۳) پہلے مضمون (۴) تشریف آوری

وربادہ ہے تمام رحمتوں اور فضل کا، پس یہ تفسیر اجمع التفاسیر[۱] ہو جائے گی۔ پس اس تفسیر کی بنا پر حاصل آیت کا یہ ہوگا کہ ہم کو حق تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ حضور ﷺ کے وجود باجود پر خواہ وجود نوری ہو[۲] یا ولادت ظاہری[۳] اس پر خوش ہونا چاہیے: اس لئے کہ حضور ﷺ ہمارے تمام نعمتوں کے واسطہ ہیں؛ حتیٰ کہ ہم کو جو روٹیاں دو وقتہ مل رہی ہیں؛ اور عافیت و تندرستی، اور ہمارے علوم یہ سب حضور ﷺ ہی کی بدولت ہیں۔ اور یہ نعمتیں تو وہ ہیں جو عام ہیں اور سب سے بڑی دولت ایمان ہے جس کا حضور ﷺ سے ہم کو پہونچنا بالکل ظاہر ہے۔ غرض اصل الاصول تمام مواد فضل و رحمت[۴] کی حضور ﷺ کی ذات با برکات ہوئی، پس ایسی ذات بابرکت کے وجود پر جس قدر بھی خوشی اور فرح ہو کم ہے۔ بہر حال اس آیت سے عموماً یا خصوصاً یہ ثابت ہوا کہ اس نعمت عظیمہ پر خوش ہونا چاہیے اور ثابت بھی ہوا نہایت ابلغ[۵] طرز سے۔ اس لئے کہ اول تو جار مجرور بفضل اللہ کو مقدم لائے کہ جو مفید حصر کو ہے، اس کے بعد رحمت پر پھر جار کا اعادہ فرمایا کہ جس سے اس میں استقلال کا حکم پیدا ہو گیا، پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کو مزید تاکید کے لئے "فبذلک" مکرر ذکر فرمایا اور "ذلک" پر جار اور فاء تاکید کو لائے تاکہ اس میں اور زیادہ اہتمام ہو جائے، پھر نہایت اہتمام در اہتمام کی غرض سے "فلیفرحوا" (پس چاہیے کہ خوش ہوں) پر "فا" لائے کہ جو مشیر ہے یک شرط مقدر کی طرف اور وہ "ان فرحوا بشیء" (اگر کسی چیز سے خوش ہوں)

---

(۱) تمام تفسیروں کو جمع کرنے والی (۲) جبکہ آپ ﷺ کا نور پیدا کیا گیا (۳) یا آپ ﷺ کی ولادت جسمانی ہوئی (۴) غرض تمام فضل و رحمت کی اصل اور بنیاد حضرت ﷺ کی ذات ہے

(۵) بہت ہی زیادہ بلیغ انداز سے

ہے[1]۔ حاصل یہ ہوا کہ اگر کسی شئے کے ساتھ خوش ہوں تو اللہ ہی کے فضل و رحمت کے ساتھ، پھر اسی کے ساتھ خوش ہوں یعنی اگر دنیا میں کوئی شئے خوشی کی ہے تو یہی نعمت ہے اور اس کے سوا کوئی شئے قابل خوشی کے نہیں ہے اور اس سے بدلالۃ النص یہ بھی ثابت ہوگیا کہ یہ نعمت تمام نعمتوں سے بہتر ہے لیکن چونکہ ہم لوگوں کی نظروں میں دنیا اور دنیا ہی کی نعمتیں ہیں اور اسی میں ہم کو انہماک[2] ہے اس لئے اس پر بس نہیں فرمایا آگے اور نعمتوں پر اس کی تفصیل کے صراحتۃً[3] ارشاد ہوا: "هو خير مما يجمعون"[4] یعنی (یہ نعمت ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن کو لوگ جمع کرتے ہیں)۔ یعنی دنیا بھر کی نعمتوں سے یہ نعمت افضل و بہتر ہے پس جس نعمت پر حق تعالیٰ اس شد و مد[5] کے ساتھ خوش ہونے کا حکم فرماویں وہ کس طرح خوش ہونے کے قابل نہ ہوگی یہ حاصل ہوا اس آیت کا جو مبنی ہے اس پر کہ فضل اور رحمت سے حضور ﷺ مراد لئے جاویں۔

اصلی خوشی کا موقع کون سا ہے

اور دوسرے مقام پر اس سے بھی صاف ارشاد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی خوشی کی شئے دنیا میں اگر ہے تو حضور ﷺ ہی ہیں اور اس میں ما بہ الفرح یعنی حضور ﷺ کے وجود باجود پر جو خوشی کا امر ہے۔ وہ کس بنا پر ہے اور حیثیت و جہت فرح کی کیا ہے یہ بھی مذکور ہے۔ وہ آیت یہ ہے: ارشاد ہے: "لقد من

---

(۱) بہت ہی جچے تلے انداز میں صرفی و نحوی قواعد کی روشنی میں ثابت کیا کہ اصل خوشی کے قابل اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے، اور حضور ﷺ کی ذات سب سے بڑی نعمت ہے اس لئے وہ سب سے زیادہ خوشی کے قابل ہے۔ (۲) مشغولیت (۳) واضح طور پر (۴) یونس: آیت-۵۸
(۵) زور شور سے

اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولاً من انفسہم یتلوا علیہم اٰیاتہ و یزکیہم و یعلمہم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین"[۱]۔ یعنی حق تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا کہ ان میں ایک رسول ﷺ ان کی جنس سے بھیجا کہ وہ ان پر ان کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور ان کو (ظاہری و باطنی نجاستوں و گندگیوں سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب و حکمت سکھلاتے ہیں اور بیشک وہ اس سے پہلے ایک کھلی گمراہی میں تھے۔ اس آیت میں: "یتلوا علیہم اٰیاتہ و یزکیہم" الخ۔ (وہ ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں) سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصلی شئے خوشی کی ورما بہ الفرح والمنۃ[۲] یہ ہے کہ حضور ﷺ ہمارے لئے سرمایۂ ہدایت ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضور ﷺ کے متعلق خوش ہونے کی بہت سی چیزیں مثلاً حضور ﷺ کی ولادت اور حضور ﷺ کی بعثت اور حضور ﷺ کے دیگر تمام حالات مثلاً معراج وغیرہ یہ سب حالات واقعی خوش ہونے کے ہیں۔ لیکن اس حیثیت سے کہ ہمارے لئے مقدمات ہیں ہدایت و سعادت ابدی[۳] کے چنانچہ اس آیت سے صاف ظاہر ہے اس لئے کہ بعثت کے ساتھ یہ صفات بھی بڑھائی ہیں: "یتلوا علیہم اٰیاتہ و یزکیہم" الخ۔ (وہ ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں)۔ پس بقاعدۂ بلاغت ثابت ہوتا ہے کہ اصل ما بہ المنۃ[۴] یہ صفات ہیں۔ باقی ولادت شریفہ فی نفسہا[۵] یا معراج وہ بھی باعث خوشی زیادہ اسی لئے کہ مقدمہ ہیں اس دولت عظیمہ کے، اس لئے اگر ولادت شریفہ نہ ہوتی تو ہم کو یہ نعمت کیسے ملتی؟ اسی فرق کی وجہ سے اس آیت میں تو اس مقصود کا ذکر تصریحاً

---

(۱) آل عمران: آیت۔ ۱۶۸ (۲) خوشی اور احسان ماننے والی چیز (۳) ہمیشہ کی کامیابی (۴) اصل احسان مند ہونے کے قابل یہ صفات ہیں (۵) اپنی ذات کے اعتبار سے

اور قصداً فرمایا اور دوسری آیات میں حضور ﷺ کے وجود باجود کا ذکر اشارتاً اور ضمناً فرمایا۔

چنانچہ ارشاد ہے: "لعمرک انہم لفی سکرتہم یعمہون"[۱] (آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش ہے)۔ اس میں حضور ﷺ کی بقا اور وجود کو مقسم بہ[۲] بنایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قسم میں جواب قسم مقصود ہوتا ہے اور مقسم بہ کو تبعاً ذکر کیا جاتا ہے۔ اور ایک مقام پر حضور ﷺ کی ولادت شریفہ کو بھی اسی طرح ذکر فرمایا ہے، فرماتے ہیں: "لااقسم بہذاالبلد وانت حل بہذاالبلد و والد وما ولد"[۳] (میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی اور آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے قسم ہے باپ کی اور اولاد کی)۔ چنانچہ "ماولد" کی تفسیر میں بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس کے مصداق حضور ﷺ کی ذات والاصفات ہے مگر اس اہتمام سے نہیں جیسا آیت: "لقد منّ اللہ علی المومنین" الخ۔ (اللہ تعالیٰ نے احسان کیا)۔ میں نبوت اور بعثت اور ہدایت اور تزکیہ کو بیان فرمایا ہے اور اسی فرق کی وجہ سے فرحت میں بھی تفاوت ہوگا کہ جس قدر ولادت شریفہ پر فرحت ہونا چاہیے اس سے زائد نبوت شریفہ پر ہونا چاہیے اگر ذکر ولادت شریفہ کے لئے مجلس منعقد کی جاوے تو ذکر نبوۃ مبارکہ کے لئے بطریق اولیٰ[۴] کی جاوے اور اسی طرح ان اہل مجالس کو چاہیے کہ معراج شریف اور فتح مکہ معظمہ اور حضور ﷺ کے غزوات مبارکہ اور ہجرۃ کی بھی مجالس منعقد کیا کریں اس لئے کہ جیسے ولادت شریفہ حضور ﷺ کا ایک حال ہے اسی طرح یہ بھی حضور ﷺ ہی کے حالات ہیں، بلکہ بعض ان میں سے ولادت شریفہ سے بڑھ کر ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ آج کل

---

(۱) الحجرات: آیت۔۷۲ (۲) اس آیت میں حضور ﷺ کے وجود اور بقاء کی قسم کھائی گئی ہے
(۳) البلد: آیت۔۱تا۳ (۴) تو ذکر نبوت کے لئے اس سے بھی پہلے مجلس منعقد کرنی چاہیے

مجلس ولادت شریفہ میں حضور ﷺ کے سب حالات کا اور احکام کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت! بس رہنے دیجئے اور حالات کا ذکر محض بطور خانہ پری کے یا صرف پاراسا چھوانے کے طور پر ہوتا ہے۔ بخلاف ذکر متعلق ولادت شریفہ کے کہ وہ ذکر نور سے لے کر وقت وضع و رضاع[1] وغیرہ تک کیا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی مولوی نماز روزہ کے احکام مجلس مولود میں بیان کر دیتا ہے تو میں نے اہل مولد میں سے ایک بزرگ سے سنا ہے کہ یہ کہتے تھے لوگوں نے آج کل یہ نئی رسم نکالی ہے کہ وعظ کہتے ہیں کہ نماز روزہ کا، اور نام کرتے ہیں ذکر ولادت کا۔ یہ خیالات ہیں اہل مولد کے حالانکہ حق تعالیٰ کے کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ فرحت[2] کے قابل یہی شئے ہے جیسا میں نے پہلی آیت: "لقد منّ اللہ" الخ۔ (اللہ تعالیٰ نے احسان کیا) کے ذیل میں بیان کیا ہے۔

اب بتلایئے اس پر فرحت کون کرتا ہے وروجہ اس کی یہ ہے کہ ذکر ولادت میں بوجہ اس کے کہ لڑکے خوش لحان[3] گاتے ہیں اور مضامین و روایات بھی اکثر موضوع[4] اور عجیب ہوتی ہیں اور اگر روایات صحیحہ بھی ہوں تو وہ ایک واقعہ اور قصہ ہے جو طبعاً دلکش ہے اس لیے اس کے سننے میں نفس کو حظ[5] ہوتا ہے اور احکام میں کوئی خاص مزہ نہیں اس لیے کہ اس میں تو یہی ہوگا یہ کرو وہ نہ کرو تو اس میں کیا مزہ آیا حالانکہ اصل سب مزوں کی احکام ہی ہیں ایک مدت تک ان پر التزام[6] کیجیے اور نفس کو خوگر[7] بنایئے پھر اس میں روحانی لطف دیکھیے۔ لیکن اس میں تو لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں اور زہر کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں

---

(۱) کہ اس میں پیدائش کے وقت اور دودھ پلانے کے وقت کا ذکر کیا جاتا ہے (۲) زیادہ خوش ہونے کے قابل یہی چیزیں ہیں (۳) اچھی آواز والے لڑکے (۴) من گھڑت (۵) مزہ آتا ہے (۶) مسلسل ان احکام پر عمل کیجیے اور نفس کو اس کا عادی بنایئے (۷) عادی

اس لیے اس سے نفس بھاگتا ہے اور واقعات مولد شریف کے ذکر میں صرف سن لینا ہوتا ہے اس لیے اس میں نفس کو مزا آتا ہے اسی لیے اس کا اہتمام کرتے ہیں اسی طرح تصوف کے رنگین مضامین اور عاشقانہ اشعار کی کیفیت ہے چونکہ اس میں افعل لاتفعل[۱] نہیں ہے اس لیے خوب مزا آتا ہے سر ہلتے ہیں بلکہ یہاں تک دیکھا جاتا ہے کہ لوگ ان اشعار و مضامین کو سمجھتے بھی نہیں ان کو بھی وجد[۲] آتا ہے۔ ایک قوال یہ شعر گا رہا تھا۔ بگزید مار عشقت جگر کباب کرد مرا۔ (تیرے مار عشق نے ہمارے جگر کو کاٹ کر کباب کر دیا) ایک گنوار کو وجد آگیا اس سے پوچھا کہ تو نے کیا سمجھا جو تجھ کو وجد آیا اس نے کہا کہ یہ یوں کہتا ہے ڈگرے کا باپ مرا ڈگرا کہتے ہیں ہندی میں نفس کو تم ۔ یہاں تک دیکھا ہے ہندوؤں کے یہاں اور رنڈیوں کے یہاں مروج مولد شریف ہوتا ہے کہ اس میں حظ نفس ہے ورنہ ہندوؤں کو اس سے کیا تعلق غرض قرآن مجید سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ زیادہ اہتمام کے قابل نبوت اور بعثت کا ذکر ہے اور ذکر ولادت اگر کہیں آیا ہے تو اشارۃً یا اجمالاً آیا ہے اگر کوئی کہے کہ حق تعالیٰ نے سورہ مریم میں یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ مفصلاً بیان فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصہ مولد عیسیٰ علیہ السلام و یحییٰ علیہ السلام کی تفصیل بیان کرنا بھی قابل خاص اہتمام کے ہے پس اس پر ہم حضور ﷺ کے ذکر ولادت کو بھی قیاس کرتے ہیں بات یہ ہے کہ: حفظت شیئا وغابت عنک اشیاء (ایک چیز تو نے یاد کر لی بہت چیزیں غائب ہو گئیں) آپ نے یہ تو دیکھ لیا کہ ان حضرات کی ولادت کا قصہ اہتمام سے بیان فرمایا ہے مگر یہ نہیں دیکھا کہ کیوں اور کس حیثیت سے ذکر فرمایا ان کے قصہ ولادت کے اہتمام کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی ولادت ایک عجیب طریقہ سے

---

(۱) کرو نہ کرو کے حکم (۲) حال

خرق عادت[۱] کے طور پر ہوئی ہے یحییٰ علیہ السلام کے ماں باپ تو بوڑھے بہت تھے کہ اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے ان میں صلاحیت ہی توالد[۲] و تناسل کی نہ تھی چنانچہ ارشاد ہے: "واصلحنا له زوجه" اس لیے ان کی ولادت عجیب تھی اور عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے ہونے اس لیے ان کی ولادت اس سے بھی زیادہ عجیب تھی پس حق تعالیٰ نے ان دونوں قصوں سے قدرت اور توحید پر استدلال[۳] فرمایا ہے یہ وجہ ہے ان قصوں کے بالاہتمام[۴] ذکر کرنے کی اور حضور ﷺ کی ولادت شریفہ عادت کے موافق ہوئی ہے پس اس سے مستقلاً ذکر مولد شریف کی تفصیل کا ذکر نبوت و ہجرت کی برابر محل اہتمام ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

حضور ﷺ کی ولادت عام طریقہ پر ہونا کمال حکمت پر مبنی ہے

مگر آجکل بعض لوگوں نے خود اس مقدمہ میں بھی کلام شروع کیا ہے کہ آپ کی ولادت شریفہ بطریق متعارف ہوئی ہے چنانچہ ایک شخص کا میرے پاس خط آیا تھا اس میں پوچھا تھا کہ کیا حضور ﷺ بھی اپنی والدہ شریفہ کے بطن سے اسی طرح پیدا ہوئے جیسے اور آدمی ہوتے ہیں اور کسی کا قول نقل کیا تھا کہ ران سے پیدا ہوئے ہیں اس لیے کہ حضور ﷺ کی شان اس سے رفیع ہے کہ محل غیر ظاہر سے پیدا ہوں اور پوچھا تھا کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ طریق معہود سے پیدا ہوئے ہیں میں کہتا ہوں کہ ان سائلوں کو ایسے امور کے پوچھنے سے شرم نہیں آتی بہت بے حیائی اور بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے میرا جی تو چاہتا نہ تھا کہ اس خط کا جواب لکھوں لیکن ضرورۃً لکھا تاکہ ان مخالفین کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ اہل حق کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ میں نے جواب میں یہ لکھا کہ روایات میں حضور ﷺ کی

---

(۱) دستور کے خلاف　(۲) پیدائش اور نسل بڑھانے

(۳) دلیل پکڑی ہے　(۴) اہتمام سے ذکر کرنے کی

ولادت کے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں "ولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" اور یہ مقدمہ[1] مسلمہ ہے کہ جب تک مجاز کے قرائن نہ ہوں تو الفاظ اپنے حقائق پر محمول ہوتے ہیں یعنی جب تک معنی حقیقی بن سکیں مجاز کی طرف رجوع[2] نہ کیا جاوے گا اور یہ بھی مسلم[3] ہے کہ علامت حقیقت کی تبادر "الی الفہم عند الخلو عن القرائن" (قرائن سے خالی ہونے پر فہم حرف سے سبقت کرتی ہے) پس ان سب مقدمات سے ولد میں ولادت سے طریق معہود[4] ہی سے پیدا ہونا مراد لیا جاوے گا یہ دلیل ہے اس کی کہ حضور ﷺ بھی اسی طریق سے دنیا میں تشریف لائے ہیں اب لوگ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ولادت شریفہ کو عجیب طریق سے ثابت کریں اور عادت معروفہ[5] کے موافق پیدا ہونے کو قدح[6] جانتے ہیں حالانکہ اقرب الی الحکمۃ (حکمت کی طرف نزدیک تر) آپ کی شان کے اعتبار سے یہی ہے کہ جس طرح عادۃ اللہ جاری ہے آپ اسی طرح پیدا ہوں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ امر مسلمہ ہے کہ آدمی کو زیادہ انس[7] اس شئے سے ہوتا ہے جس سے کچھ مناسبت ہو اور جس قدر مناسبت زیادہ ہوگی انس زیادہ ہوگا اور جس قدر مناسبت کم ہوگی اسی قدر اس سے توحش[8] بڑھے گا اسی واسطے آدمی کو اپنے ہم جنس کی طرف زیادہ میلان ہوتا ہے اور جانوروں کی طرف کم ہے اور جنوں سے اور بھی کم بلکہ توحش[9] ہے اور اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام سب آدمی ہوئے ہیں فرشتوں کو نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے اس لیے کہ ان سے آدمیوں کو توحش ہوتا اور جب توحش ہوتا تو افادہ اور استفادہ[10] ممکن نہیں اس لیے سب

---

(1) تسلیم شدہ اصول ہے کہ (2) مجازی معنی نہیں لیے جائیں گے
(3) تسلیم شدہ (4) عام طریقے پر ہی پیدا ہونا مراد ہے (5) عام عادت کے مطابق
(6) برا (7) تعلق (8) دوری ہوگی (9) وحشت ہے (10) فائدہ پہنچانا اور فائدہ اٹھانا ممکن نہیں

رسول آدمی ہوئے ہیں جب یہ امر سمجھ میں آگیا تو اس کے بعد سمجھنا چاہیئے کہ حق تعالٰی کو منظور ہوا کہ حضور ﷺ کو محبوبیت کاملہ عطا فرمادیں اور کسی کو ذرہ برابر بھی حضور ﷺ سے توحش[1] نہ ہو پس اس لیے بجز معجزات کے حضور ﷺ کی اور کوئی حالت ولادۃ وغیرہ بھی معمول کے خلاف نہیں بنائی اس لیے کہ اگر عادۃ جاریہ کے ذرا خلاف بھی کوئی بات ہوتی تو مناسبت میں اور پھر اس کے سبب انس[2] میں کمی ضرور ہوجاتی پس ولادت بھی حضور ﷺ کی کسی نئے طرز سے نہیں ہوئی اور یہی آپ کی شان محبوبیت و افادہ کے لئے مناسب ہے، اور اس کے خلاف کو ثابت کرنا اس حکمت کو نظر انداز کرنا ہے۔ بلکہ یہ حکمت یہاں تک مرعی[3] رکھی گئی ہے کہ حضور ﷺ کے اکثر کمالات بھی کہ ان میں معجزات بھی داخل ہیں نہایت لطیف ہیں جن کا عجیب ہونا امعان[4] نظر کو مقتضی ہے حتیٰ کہ قرآن مجید جو حضور ﷺ کا بڑا معجزہ ہے وہ بھی سرسری نظر میں عجیب اور اعجاز کی شان اس میں معلوم نہیں ہوتی اسی واسطے کفار نے کہا تھا کہ "لو نشاء لقلنا مثل ھذا" یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام کہہ دیں لیکن ان لوگوں نے جب غور کیا اور اپنی انتہائی قوت اس کے مقابلہ میں صرف کردی تو دانت کھٹے ہوگئے حالانکہ بڑے فصیح اور بلیغ تھے لیکن ایک سورت بھی ایسی نہ لاسکے باوجود اس کے کہ حق تعالٰی نے ان کو جوش دلانے کے لیے علی الاعلان فرمایا "فأتوا بسورۃ من مثلہ"[5] یعنی لے آؤ کوئی سورت اس جیسی اس کے بعد ان کے عجز کو بھی خود فرمایا "ولن تفعلوا" یعنی تم ہرگز ایسی سورۃ نہ لاسکو گے اس کو سن کر اہل عرب کو کیسا کچھ جوش آیا ہوگا اور کس قدر بل کھائے ہوں گے لیکن مقابلہ نہیں کرسکے اور اسی پر

---

(۱) گھبراہٹ (۲) محبت (۳) بلکہ اس حکمت کی یہاں تک رعایت کی گئی ہے

(۴) گہری نظر کا تقاضا کرتا ہے۔ (۵) البقرہ: آیت ۲۳

اکتفا نہیں فرمایا بلکہ آگے ارشاد ہے "فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکافرین"۔ یعنی اگر تم اس کا مثل نہ لاسکو تو اس آگ سے بچتے رہو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے غرض یہ معجزہ بھی نہایت غامض[1] اور لطیف ہے اسی طرح حضور ﷺ کی ہر شان اور کمال ایسا ہی لطیف ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔

یزیدک وجھہ حسناً اذا مازدتہ نظراً

یعنی محبوب کا چہرہ تیرے لیے حسن کو بڑھادیا۔ جب تو اس پر نظر زیادہ کرتا ہے چنانچہ بعضوں کا حسن تو ایسا ہوتا ہے کہ دور سے وہ اچھے معلوم ہوتے ہیں لیکن پاس سے دیکھو تو کچھ بھی نہیں جیسے شیخ شیرازی فرماتے ہیں۔

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد چوں باز کنی مادر مادر باشد

(بہت خوش قامت چادر کے اندر ہوتی ہیں۔ جب تم چادر ہٹاؤ تو نانی معلوم ہوتی ہیں)

اور بعضے دور سے اور سرسری نظر میں معمولی معلوم ہوتے ہیں لیکن جس قدر غور کرو خوبیاں معلوم ہوتی جاتی ہیں۔ حضور ﷺ کے کمالات بھی ایسے ہی ہیں کہ ان میں سادگی تو اس درجہ ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند دلبر ماست کہ با حسن خداداد آمد

(تمام دلفریباں نباتی زیور سے آراستہ و پیراستہ ہیں ہمارے محبوب کا حسن خداداد ہے)

اور نظر تامل کے بعد دلربائی کی یہ حالت ہے۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

---

(۱) نہایت گہرا اور باریک

(سر سے پیر تک جس جگہ نظر کرتا ہوں کرشمہ دامن دل کھینچتا ہے کہ یہی جگہ محبوبیت کی ہے یعنی اس کا وہ حسن ہے کہ ہر پہلو سے محبوبیت برستی ہے)

پس ولادت بھی حضور ﷺ کی کسی عجیب طریقہ سے نہیں ہوئی اور ولادت عیسویہ نہایت عجیب طریقہ سے ہوئی اور چونکہ اس سے توحید پر استدلال مقصود ہے اس لیے اس کو اہتمام سے بیان بھی فرمایا۔

مدار منت و احسان حضور ﷺ کی شان تلاوت و تزکیہ نفوس ہے

خلاصہ یہ ہے کہ مدار منت و فرحت(۱) کا شان یتلو علیهم آیاته ویزکیهم الخ (وہ ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں) کی ہے اور ولادت شریفہ اور نشو نما کے واقعات کی خوشی بھی اسی واسطے ہے کہ وہ واسطہ ہے اس دولت کی تحصیل کا خوب کہا ہے۔

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی — کانگشت نمائے عالمے خواہش شد

(وہ دن کہ تو چاند ہوا نہیں جانتا تھا کہ ایک عالم کا انگشت نما ہوگا)

پس اصل میں تو جو مقصود حالت بدریت(۲) کی ہے لیکن ہلالیت(۳) کی خوشی بھی اسی واسطے ہے کہ وہ ذریعہ بدریت کا ہے پس اصل سرور تو اس کا ہے کہ ہم کو حضور ﷺ نے بڑی نعمت عطا فرمائی باقی اس کے جس قدر اسباب ہیں وہ چونکہ اس کے وسائط(۴) ہیں اس لیے ان سے بھی خوشی ہے اسی فرح کو مولانا رومی اپنی مثنوی شریف میں چند ابیات(۵) کے اندر بیان فرماتے ہیں جو گویا حاصل ہے ان آیت کے مفہوم کا ان ابیات کو مع مختصر شرح کے یہاں بیان کیا جاتا ہے پس فرماتے ہیں۔

---

(۱) احسان مندی اور خوشی کا دارومدار آپ کی شان تلاوت و تزکیہ (۲) چودھویں کا چاند
(۳) پہلی کا چاند (۴) اس تک پہنچنے کے واسطے (۵) شعروں

ایہا العشاق اقبال جدید — از جہان کہنہ نو در رسید

یعنی اے عشاق مژدہ[1] ہو کہ نیا اقبال چمکا ہے جو ایک پرانے اور نئے جہان سے پہنچا ہے۔ اقبال جدید سے مراد قرآن مجید ہے اور جدید اس کو کلام لفظی کے اعتبار سے کہا ہے ورنہ کلام نفسی اور صفت الٰہی کے مرتبہ میں تو وہ قدیم[2] ہے باقی رہی یہ بات کہ کلام لفظی کے اعتبار سے تو اس کی ایک صفت کو ذکر فرمایا اور کلام نفسی کے اعتبار سے کوئی صفت ذکر نہیں کی تو وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم کو جو خطاب ہوا ہے اور ہم کو جو یہ دولت ملی ہے تو اسی لباس یعنی کلام لفظی کے ساتھ ملی ہے پس ہمارے نفع میں یہ شان جدید ہی زیادہ دخیل اور سبب قریب ہوئی[3] گو فی نفسہٖ قدیم ہے اور اسی صفت کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے مایاتیہم من ذکر من ربہم محدث الا استمعوہ وہم یلعبون[4] اور فرمایا ومایاتیہم من ذکر من الرحمٰن محدث الا کانوا عنہ معرضین[5] اور جہاں سے مراد عالم غیب[6] ہے اور کہنہ[7] اس کو اس لیے کہا کہ بہت پرانا ہے اور نو[8] اس لیے کہ اس میں تغیر نہیں ہوا الان کما کان (جیسا کہ پہلے تھا اب بھی ایسا ہی ہے)

---

(۱) خوشخبری (۲) قرآن حکیم کے الفاظ کے دو مرتبے ہیں اس حیثیت سے کہ ہم اس کو پڑھتے لکھتے ہیں کلام لفظی کہلاتا ہے اور اس حیثیت سے کہ اللہ تعالیٰ اس کے قدیمی ہیں وہ اللہ کی صفت ہے کلام نفسی کہلاتا ہے جو قدیم ہے۔

(۳) اس لیے کہ قرآن کے یہ الفاظ جو کہ کلام لفظی ہیں پڑھ کر ہم ہر حرف پر دس نیکیاں حاصل کر سکتے ہیں ان کے معنی میں غور کر کے ہدایت حاصل کرتے ہیں اس لیے ہمارے فائدے کا سبب یہ الفاظ بنے۔

(۴) الانبیاء: آیت۔ ۲۔ ترجمہ: ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو نصیحت تازہ آتی ہے یہ اس کو ایسے طور پر سنتے ہیں کہ ہنسی کرتے ہیں (بیان القرآن)

(۵) سورۃ شعراء: آیت۔ ۵۔ ترجمہ: ان کے پاس کوئی تازہ فہمائش رحمان کی طرف سے ایسی نہیں آتی جس سے یہ بے رخی نہ کرتے ہوں (بیان القرآن)

(۶) وہ عالم جو انسان کی نظروں سے پوشیدہ ہے (۷) پرانا (۸) نیا

اس کی شان ہے اور عالم غیب کو تو یہ شان ہے ہی آسمان جو عالم شہادت[1] سے ہے مگر بوجہ منتہائے عالم شہادت[2] ہونے کے اس کو عالم غیب سے کچھ قرب ہے خود اس کی یہی حالت ہے کہ باوجود اس کے کہ کس قدر پرانا ہے لیکن اس میں کچھ تغیر[3] نہیں ہے چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "ماتری فی خلق الرحمن من تفاوت فارجع البصر هل ترىٰ من فطور" یعنی اے مخاطب تو اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی شئے میں (آسمان مراد ہے) کوئی تفاوت نہ دیکھے گا (اگر کچھ شک ہے) پس نگاہ اٹھا کر دیکھ کیا کہیں کوئی رخنہ[4] دیکھتے ہو آگے مکرر تاکید[5] کے لیے اور نیز اس لیے کہ شاید ہماری خاطر سے کہدو کہ نہیں کہیں کوئی فرق نہیں اس لیے ارشاد ہے "ثم ارجع البصر کرتین"[6] یعنی پھر بار بار نظر دوڑاؤ آگے اس کا نتیجہ ارشاد ہے کہ ینقلب الیک البصر خاسئاً وھو حسیر"[7] یعنی ہم پیشین گوئی کرتے ہیں کہ تمہاری نگاہ پھر پھرا کر تمہارے پاس تھکی تھکائی واپس آجائے گی اور کہیں کوئی عیب نہ پائے گی خلاصہ یہ ہے کہ مولانا ارشاد فرماتے ہیں کہ اے حق تعالیٰ کے طالبو اے حق کے شیدائیو اے مدتوں سے وادی ضلال[8] میں بھٹکنے والو خوش ہوجاؤ تمہارے اقبال کا ستارہ چمکا ہے یعنی عالم غیب سے قرآن مجید نازل ہوا ہے کہ راہ حق کی طرف ہادی[9] ہے آگے فرماتے ہیں۔

زاں جہان کو چارہ بیچارہ جوست   صد ہزاراں نادرہ عالم دروست

زاں جہان بدل ہے جہان کہنہ سے جو شعر بالا میں ہے یعنی وہ اقبال جدید اس جہان

---

(1) آسمان ایک ایسا عالم ہے جو نظر آتا ہے (2) وہ عالم جو انسان کی نظروں کے سامنے ہے اس کی آخری حد ہونے کی وجہ سے (3) تبدیلی (4) دراڑ، کاوش (5) تاکید مزید
(6) سورۃ الملک ۳ (7) سورۃ الملک ۴ (8) گمراہی کی وادی (9) راستہ دکھانے والا

سے آیا ہے کہ وہ لاعلاج کا چارہ جو ہے اور لاکھوں عجائبات عالم کے اس میں ہیں یعنی جو شخص امراض کفر و شرک و گناہ میں مبتلا ہو کر لاعلاج ہو گیا ہو اور اس جہان کے اطباء نے اس کو جواب دیدیا ہو تو اس کا علاج اس جہان سے ہوتا ہے چنانچہ قبل از بعثت مشرکین اور کفار ایسے امراض میں مبتلا تھے کہ وہ لاعلاج ہو چکے تھے قلوب مسخ ہو گئے تھے شر کو خیر اور خیر کو شر جانتے تھے ہزاروں رسوم جہالت کی ان میں وباء عام کی طرح پھیلی ہوئی تھیں کہ دفعتاً اقبال جدید کا ستارہ چمکا اور اس نے ایسا نور ڈالا کہ سب کا علاج ہو گیا "الا من شاء اللہ" (مگر جس کو چاہے اللہ) اور اگر ایسی زبردست روشنی ان پر نور افشاں نہ ہوتی تو ان کی درستی کی بالکل امید نہ تھی چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں: "لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیھم البینۃ رسول من اللہ یتلوا صحفا مطھرۃ فیھاکتب قیمۃ"[1]۔

یعنی (کفار اہل کتاب و مشرکین اپنی گمراہی سے جدا ہونے والے نہ تھے جب تک ان کے پاس ایک روشن دلیل نہ آ جاوے وہ دلیل ایک ایسا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے جو اللہ کی جانب سے ہے جو پاکیزہ صحیفے پڑھے جس میں راست[2] راست مضامین لکھے ہوئے ہوں)۔

حضور ﷺ کا فیض عام تھا جسمانی بھی روحانی بھی

دوسرے مصرعہ کا حاصل یہ ہے کہ اس جہان میں عالم کے بے شمار عجائب ہیں چنانچہ دوزخ وہاں موجود ہے جس کے ہولناک اور عجائبات اور واقعات کی کسی قدر حکایت احادیث میں آئی ہے اور جنت وہاں موجود ہے جس کے بیشمار اور بروں از عقل و قیاس[3] نعمتوں کی خبر اللہ و رسول ﷺ نے دی ہے اسی طرح

---

(۱) سورۃ البینۃ: آیت ۱ تا ۳ (۲) صحیح صحیح (۳) عقل اور قیاس سے بڑھ کر

عالم ارواح اور صراط[۱] اور میزان[۲] وہاں موجود ہیں اور ان چیزوں کے عجیب ہونے میں کوئی شک نہیں چنانچہ اسی وجہ سے ملاحدہ اور فلاسفہ نے ان کے وجود ہی سے انکار کردیا ہے آگے ارشاد ہے۔ "ابشروا یا قوم اذجاء الفرج افرحوا یا قوم اذ زال الحرج". یعنی اے میری قوم خوش ہوجاؤ اس لیے کہ کشادگی آگئی اور اے قوم خوش ہوجاؤ اس لیے کہ تنگی جاتی رہی مطلب ظاہر ہے:

آفتابے رفت در کوزہ ہلال　　　　در تقاضا کہ ارحنا یا بلال[۳]

بلالؓ صحابی ہیں مولانا نے ان کی حکایت بیان کی ہے کہ وہ ایک اصطبل میں سائیس تھے وہ بیمار ہوگئے تھے حضور ﷺ ان کی عیادت کو وہاں ہی تشریف لے گئے تھے حضور ﷺ کی فیض رسانی کو مولانا بیان فرماتے ہیں کہ اور فیض رساں تو ایسے ہوتے ہیں کہ طالبین ان کے دروازہ پر آتے ہیں حضور ﷺ کے اخلاق ایسے تھے کہ ظاہر حال کے اعتبار سے ایک شکستہ حال ہے یہاں آپ خود تشریف لے گئے حافظ شیرازیؒ ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں فرماتے ہیں:

مبیں حقیر گدایان عشق را کیں قوم

شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند

وہاں عشق کو حقارت سے نہ دیکھو اس لیے یہ بے پٹکے اور تاج کے بادشاہ ہیں)۔

ایسے ہی حضرات کے بارہ میں حدیث شریف میں وارد ہوا ہے: "رب اشعث اغبر مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لابرہ". یعنی (بہت سے پراگندہ بال غبار آلودہ دروازوں سے دھکے دیئے ہوئے اور حالت ان کی یہ ہے کہ اگر اللہ پر کسی بات کے متعلق قسم کھا بیٹھیں یعنی قسم کھا کر یہ کہہ دیں کہ اللہ ایسا

---

(۱) پل صراط　　(۲) یعنی نیکی بدی تولنے کی ترازو　　(۳) آفتاب یعنی حضور ﷺ بلالؓ کی عیادت کو گئے حضرت بلال حبشیؓ سے تقاضہ کیا کہ مجھے راحت دو یعنی اذان کہہ کر

ہی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو قسم میں سچا کردیں، اسی شان کو فرمایا ہے حافظ شیرازیؒ نے:

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بین   کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

(گدائے میکدہ ہوں لیکن مستی میں دیکھو کہ فلک پر ناز اور ستارہ پر حکم کرتا ہوں) اور فلک[1] اور ستارہ پر ناز کرنا کیا تعجب ہے جب وہ حضرات خالق فلک و ستارہ پر ناز کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کی سطوت و شوکت جو قلوب پر تھی اس کو تو سب جانتے ہی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی عناصر[2] پر بھی آپ کی حکومت تھی جو بطور کرامت ظاہر ہوتی ہے چنانچہ ایک مرتبہ زمین کو زلزلہ آیا تو آپ نے فرمایا: "اسکنی یا ارض" یعنی اے زمین ساکن ہوجا زمین فوراً ٹھہر گئی، اور سنیے دریائے نیل کی کبھی یہ حالت ہوتی کہ اس کا پانی دفعتہً ٹھہر جاتا تھا اور اس قدر نہ بڑھتا تھا جس سے زراعت کی آب پاشی[3] ہوسکے۔ وہاں کے لوگ یہ کرتے تھے کہ ایک کنواری حسین لڑکی کو اس میں چھوڑ دیتے تھے اس وقت اس کا پانی بڑھ آتا تھا جب مصر فتح ہوا تو لوگوں نے یہ قصہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے جو امیر لشکر تھے بیان کیا انہوں نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا میں اس کی اطلاع امیرالمؤمنین کو کرتا ہوں وہ ضرور اس کا انتظام فرمادیں گے چنانچہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں یہ سب قصہ لکھا آپ نے اسی وقت ایک فرمان[4] دریائے نیل کے نام صادر[5] فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ: "اے نیل! تو اگر خدا کے حکم سے چلتا ہے تو کسی شیطان کے اثر سے مت رک" اور حضرت عبداللہؓ کو لکھا کہ یہ پرچہ دریا میں ڈال دینا۔ چنانچہ

---

(۱) آسمان   (۲) عنصر کی جمع آگ پانی   (۳) کھیتوں کو پانی دیا جاسکے

(۴) حکم نامہ   (۵) جاری

حسب الارشاد وہ رقعہ دریا میں ڈال دیا، دریا اس زور شور سے چڑھا کہ کبھی اس زور سے نہ بہا تھا۔

الغرض حاصل مصرعہ اولیٰ کا یہ ہوا کہ آفتاب فیض یعنی حضور ﷺ حضرت بلالؓ کی عیادت کے واسطے ان کے مکان پر یعنی اصطبل میں تشریف لے گئے یہ تو حضور ﷺ کا فیض باعتبار تربیت جسم کے ہوا آگے فیض روحانی و فیض باطنی کا بیان ہے کہ بلالؓ جو کہ ایک عبد[1] حبشی تھے ان سے آپ نہایت لطف و شفقت سے باتیں کرتے تھے چنانچہ ان سے بتقاضا[2] ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اے بلال ہم کو راحت دو یعنی اذان کہدو تاکہ نماز سے راحت ہو اور نماز و اذان کی تعلیم فرمانا ظاہر ہے کہ روحانی فیض رسانی ہے قال۔

زیر لب میگفتی از بیم عدد   برمنارہ روبگو کوری او

اے بلالؓ تم مکہ مکرمہ میں زیر لب آہستہ دشمن کے خوف سے اللہ کا نام لیتے تھے یعنی کلمہ توحید کبھی کبھی خفیہ کہتے تھے اب مدینہ منورہ میں منارہ پر جا کر پکار کر اللہ کا نام یعنی اذان کہو اور دشمن کو نامراد بناؤ اور خفیہ کہنے میں کبھی کبھی کی قید اس لیے لگائی کہ ان کی تو یہ حالت منقول ہے کہ یہ ایک یہودی کافر کے غلام تھے اور وہ ان کو تمام دن دھوپ میں گرم پتھر پر لٹایا کرتا تھا اس حالت میں بھی ان کی زبان سے توحید کے کلمات جاری رہتے تھے اتفاقاً ایک روز حضرت صدیق اکبرؓ کا اس طرف گذر ہوا جہاں پر حضرت بلالؓ مبتلائے تکلیف تھے حضرت صدیق اکبرؓ ان کے مولیٰ[3] کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے پاس ایک غلام نصرانی عداس نامی تھا جو بہت روپیہ کماتا تھا اس کو دے کر حضرت بلالؓ کو چھڑا لیا اس کافر نے کہا کہ ابوبکرؓ بہت خسارہ میں رہے کہ ایسا اچھا غلام دے کر ان کو لیا ہے حضرت ابوبکر

---

[1] حبشی غلام   [2] اصرار کے ساتھ   [3] مالک

صدیقؓ نے فرمایا کہ ایک غلام کیا اگر تو ان کے عوض میں میرا سارا گھر بھی مانگتا تو میں وہ بھی دے دیتا تو کیا جانتا ہے یہ کیا چیز ہیں ور حق تعالیٰ نے اس کافر کے کہنے کا یہ جواب دیا "والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا" الخ[۱] یعنی قسم ہے زمانہ کی بے شک انسان (کافر) خسارہ میں ہے مگر وہ مومن جو اعمال صالح کرتے ہیں وہ خسارہ میں نہیں ہیں اسی قصہ کی طرف حضرت عمرؓ نے اس نظم میں اشارہ کیا ہے۔

ابو بکر حبا فی اللہ مالاً   واعتق من ذخائرہ بلالاً[۲]

لقد واسی النبی بکل فضل   واسرع فی اجابتہ بلالا

پہلے بلالا سے جو کہ ایک کلمہ ہے مراد حضرت بلالؓ ہیں اور دوسرے بلالا سے جو کہ دو کلمے ہیں مراد بدون[۳] لا کے ہے معنیٰ اشعار کے یہ ہیں کہ ابو بکرؓ نے اللہ کی راہ میں مال دیا۔ اور اپنے ذخائر سے حضرت بلالؓ کو آزاد کیا اور نبی ﷺ کی ہر حال کے ساتھ غمخواری اور ہمدردی کی اور بدون انکار کے ان کی اجابت میں جلدی کی ان ہی حضرت بلالؓ کی شان میں حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ کی مدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ابوبکر سیدنا واعتق سیدنا"۔ یعنی ابو بکرؓ ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار یعنی بلالؓ کو آزاد کیا ہے اللہ اکبر کہاں حضرت عمرؓ اور کہاں حضرت بلالؓ حضرت عمرؓ کی تو وہ شان ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں "لوکان بعد نبی لکان عمر" یعنی اگر کوئی میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتے باوجود اس مرتبہ کے بلالؓ کو سیدنا فرماتے ہیں لیکن کسی کو کیا خبر ہے کہ بلال کی کس شئے[۴] کو انہوں نے سید فرمایا ہے اگرچہ اس شئے میں بھی حضرت عمرؓ ہی

---

(۱) سورۃ العصر آیت ۱ تا ۳   (۲) حضرت بلالؓ   (۳) عربی میں لا نہیں کے معنی میں آتا ہے مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی کسی بات پر لا یعنی نہیں کبھی نہیں کہا بلکہ فوراً قبول کیا   (۴) چیز

بڑھے ہوئے تھے لیکن ان حضرات نے اپنے کو ایسا مٹایا تھا کہ ہر ایک کو اپنے سے افضل جانتے تھے آج کل دیکھا جاتا ہے کہ تھوڑا سا پڑھ لکھ کر یا کسی دنی بات سے ایسا ناز ہو جاتا ہے کہ دماغ صحیح نہیں رہتا اور جو نسب میں گھٹا ہوا ہو اگرچہ زہد و تقوی میں بڑھ کر ہو اس میں عیب نکالتے ہیں یاد رکھو حق تعالیٰ کے یہاں نسب حسب کوئی شئی نہیں جس پر چاہتے ہیں فضل فرما دیتے ہیں دیکھو ابو جہل شریف ہو کر مطرود[1] ہوا اور حضرت بلالؓ باوجود عبد حبشی ہونے کے مقبول ہو گئے۔ عجیب شان ہے۔

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب ز روم　　　ز خاک مکہ بو جہل ایں چہ بو العجبی ست

(حسن بصری بصرہ کی خاک سے اور حضرت بلالؓ حبش سے ور صہیب خاک روم سے ہوں اور ابو جہل مکہ کی خاک سے ہو یہ کیا بو العجبی ہے)

غرض حضرت بلالؓ تو بڑے علی الاعلان توحید کو ظاہر کرنے والے ہیں شاید کبھی ایسا ہوا ہو کہ اس مصلحت سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے کسی خاص موقع پر اس توحید کو اخفا[2] فرمایا ہو اس لیے ارشاد ہے کہ اب کوئی احتمال نہیں رہا پکار کر منارہ پر جا کر اذان کہو اور دشمن کا دل جلاؤ قال مولانا رومیؒ۔

می دمد در گوش ہر غمگین بشیر　　　خیز اے مدبر رہ اقبال گیر

(یعنی اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہر طالب دردناک اور غمگین جو درد طلب سے بیقرار ہے اس کے کان میں بشیر یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھونک رہے ہیں کہ اے بدبخت اٹھ اقبال کا راستہ لے یعنی ہدایت کے ابواب مفتوح[3] ہو گئے ہیں اس کو اختیار کر تمام ہو گئے اشعار مثنوی کے ان اشعار میں مولانا نے فیض وحی اور فیض نبوت اول بیان کیا ہے اور اس پر فرحت ظاہر کی ہے پھر صحابہ کی طرف سے فیض

(۱) مردود　(۲) یعنی اذان آہستہ آواز سے کہی ہو　(۳) ہدایت کے دروازے کھل گئے

رسانی کے لیے جو حضور ﷺ کی توجہ تھی اس کو بیان کیا گویا یہ اشعار ان آیات کے متقارب[1] المعنی ہیں یہ تمام تر تقریر بطور تمہید کے تھی اور اس تقریر سے مقصود مجھ کو شبہات کو زائل کرنا تھا کہ جو ہم لوگوں کی نسبت ہیں ورنہ اصل مقصود یہ تھا کہ اس نعمت عظیمہ پر فرحت مامور[2] بہا کا طریقہ بیان کیا جاوے اور اس میں جو لوگوں نے افراط[3] تفریط کی ہے ان کی اصلاح کی جاوے اور مخالفین کے دلائل کا جواب دیا جاوے لیکن تمہید ہی میں بہت تطویل[4] ہو گئی لیکن کچھ حرج نہیں اس لیے کہ بہت سے فوائد اس سے معلوم ہو گئے (یہاں پہنچ کر نماز عصر کے لیے اٹھے پھر بعد نماز آگے بیان ہوا)۔

اب میں مقصود شروع کرتا ہوں تقریر سابق سے یہ تو معلوم ہو گیا ہے کہ حضور ﷺ کے وجود باجود پر فرحت مامور[5] بہا ہے اب یہ سمجھنا چاہیے کہ اس فرحت کا طریقہ صحیح مقبولہ کونسا ہے سو اس کے طریقے دو ہیں ایک تو وہ طریقہ جس پر خود جناب رسول اللہ ﷺ نے عمل فرمایا ہو اس لیے کہ جیسے امت پر اس آیت کا امتثال[6] واجب ہے حضور ﷺ پر بھی واجب ہے جیسا نبی کو نبی ماننا فی البدیہ[7] جس طرح امت کے ذمہ ضروری ہے اسی طرح بلا فرق اس نبی کو بھی اپنی نبوت کا اعتقاد فرض ہے اس لیے یہ بات دیکھنا ضروری ہے کہ حضور ﷺ نے اس فرحت کو کس طریق سے ظاہر فرمایا ہے۔

اور دوسرا طریقہ وہ ہے جو حضور ﷺ سے کلیاً یا جزئیاً منقول نہ ہو بلکہ کسی نے ایجاد کیا ہو جس طرح سے آجکل بہت سے محبت کا دم بھرنے والے لوگ مجالس

---

(۱) ان آیت کے معنی کے قریب تر ہیں (۲) ایسی خوشی جس کے منانے کا حکم دیا گیا ہے اس کا یہ طریقہ (۳) کمی زیادتی (۴) تمہید بہت لمبی ہو گئی (۵) حضور ﷺ کی پیدائش پر خوشی منانے کا حکم ہے (۶) جیسے امت کے لیے اس آیت کے حکم پر عمل کرنا واجب ہے کہ خوشی منانے حضور ﷺ پر بھی واجب ہے کہ آپ اپنی ولادت پر خوشی منائیں (۷) بداہتاً

منعقد کرتے ہیں اور ان میں سے بعض تو نرے[1] مدعی ہی ہیں ہاں جو کچھ روپیہ خرچ کرنے والے ہیں ان میں سے اکثر کی نیت بری نہیں وہ محبت سے ہی کرتے ہیں مگر غلطی میں ہیں اس لیے کہ محبت میں غلطی بھی تو ہوجاتی ہے یہ تو ضروری نہیں کہ جس فعل کا منشا محبت ہو اس میں غلطی نہ ہو جیسے کوئی اللہ تعالیٰ کی محبت کے جوش میں مثلاً ٹھیک دوپہر کو نماز پڑھنے لگے باقی جن کا کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا بلکہ ان کو آمدنی ہوتی ہے یعنی مولود خواں[2] مولوی ان میں سے تو اکثر کی نیت بھی اچھی نہیں ان کا مقصود صرف روپیہ ہی ہے بلکہ کچھ عجب نہیں کہ بعض کو ان میں سے حق واضح بھی ہوگیا ہو لیکن ان کا خیال یہ ہے کہ اگر ہم یہ طریقہ جاری نہ رکھیں گے تو ہم کو جو روپیہ اور نذرانے اور جوڑے ملتے ہیں وہ نہ ملیں گے اس لیے وہ چھوڑتے نہیں میرے پاس ضلع رہتک سے ایک صاحب کا خط آیا اس میں لکھا تھا کہ یہاں ایک بی بی ہیں جن کا نام بوبو ہے ان کے بابا بننے کی کسر ہے ورنہ سب حرف علت جمع[3] ہوجائے (لطیفہ کے طور پر ہے) جیسا کہ ایک عربی کے شعر میں کسی نے یہ حروف جمع کیے ہیں۔

رأیت صبیاً علی کثیب یخجل البدر والھلالا

فقلت ما اسمک فقال لولو فقلت لی لی فقال لالا

شاعر نے کمال کیا ہے لولو اور لی لی اور لالا کو خوب جمع کیا ہے۔ ترجمہ: یہ ہے کہ میں نے ایک حسین لڑکے کو ایک ٹیلہ پر دیکھا اور نام پوچھا اس نے کہا لولو میں نے کہا تو میرا ہے اس نے کہا نہیں۔

اور یہ لولو بمعنی موتی کے ہے وہ لولو نہیں جس سے بچوں کو ڈراتے ہیں۔

---

(۱) صرف دعویٰ محبت کرنے والے نہیں ہیں (۲) میلاد پڑھنے والے مولوی

(۳) عربی میں واؤ۔ الف اور یا۔ کو حروف علت کہتے ہیں

اس پر ایک اور حکایت یاد آئی نصیر شاعر کا ایک لڑکا بچہ تھا ایک بار چند شعراء نصیر سے ملنے آئے نصیر موجود نہ تھا یہ بچہ تھا شعراء نے اس سے فرمائش کی کہ کوئی شعر فی البدیہ بنا کر سناؤ اس نے عجیب شعر اپنے بچپن کی شان کے موافق بے ساختہ کہا۔

اے بتو مجھ کو دُرِ گوش دکھاتے کیوں ہو   میں ہوں بالا مجھے لولو سے ڈراتے کیوں ہو

غرض ان صاحب نے لکھا تھا کہ یہاں وہ بی بی مولد شریف پڑھتی ہیں اور ان کا کچھ نذرانہ بھی مقرر ہے اور ایک نئی بات یہ ہے کہ عید بقر عید کی نماز بھی عورتوں کو پڑھاتی ہیں اور ان سب قصوں کی جڑ وہی نذرانہ ہے اسی واسطے میں تو اپنے دوستوں سے یہ کہا کرتا ہوں کہ یہ بدعات کرنے والوں کو منع نہ کرو لیکن ان کو دینا چھوڑ دو جب مفت محنت کرنا پڑے گی وہ خود ہی تنگ ہو کر ان بدعات کو چھوڑ دیں گے اس لیے کام پورا کرنا پڑے گا اور ملے گا کچھ بھی نہیں تو خوامخواہ کی مشقت بھی ہوگی اور وصول کچھ نہ ہوگا تو خود ہی چھوڑ دیں گے۔

بدعت کی پہچان

بہرحال ہر عمل کے دو طریقے ہو سکتے ہیں ایک منقول [1] اور دوسرا تراشا ہوا گفتگو اس میں ہے کہ اس فرحت کا طریق مروج کس قسم میں داخل ہے اس کے لیے میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتا ہوں اس سے یہ واضح ہو جائیگا کہ جتنی چیزیں بعد خیر القرون [2] کے ایجاد ہوتی ہیں ان میں کونسی بدعت ہے اور کونسی مستحب اور مندوب [3] اور ثابت شرعیہ ہیں اور اسی سے یہ بھی واضح ہوگا کہ اس فرحت کے ظاہر کرنے کا آیا کوئی طریقہ مقبول ہے یا نہیں اور نیز طریقہ مروجہ بدعت ہے یا نہیں پس جاننا چاہیئے کہ بعد خیر القرون کے جو چیزیں ایجاد کی گئی ہیں ان کی دو

---

(۱) حضور ﷺ سے ثابت   (۲) حضور ﷺ کے زمانے کے بعد   (۳) پسندیدہ

قسمیں ہیں ایک تو وہ کہ انکا سبب داعی بھی جدید ہے اور وہ موقوف علیہ کسی مامور بہ [۱] کی ہیں کہ بغیر ان کے مامور بہ پر عمل نہیں ہوسکتا جیسے کتب دینیہ کی تصنیف ور تدوین مدرسوں ور خانقاہوں کی بنا رکہ [۲] حضور ﷺ کے زمانہ میں ان میں سے کوئی شئے نہ تھی اور سبب داعی ان کا جدید [۳] ہے اور نیز یہ چیزیں موقوف علیہ ایک مامور بہ [۴] کی ہیں تفصیل اس اجمال [۵] کی یہ ہے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ دین کی حفاظت سب کی ذمہ داری ہے اس کے بعد سمجھیے کہ زمانہ خیریت نشانہ [۶] میں دین کی حفاظت کے لیے وسائط محدثہ میں کسی شے کی ضرورت [۷] نہیں تعلق مع اللہ یا بلفظ آخر نسبت مسلسلہ سے بہ برکت حضرت نبوۃ سب مشرف [۸] تھے قوت حافظہ اس قدر قوی تھی کہ جو کچھ سنتے تھے وہ سب نقش کالحجر [۹] ہوجاتا تھا فہم ایسی عالی [۱۰] پائی تھی کہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ حق کی طرح ان کے سامنے تقریر کریں ورع و تدوی [۱۱] بھی غالب تھا بعد اس زمانہ کے دوسرا زمانہ آیا غفلتیں ہوئیں قوی کمزور ہوگئے ادھر ابل اہوا اور عقل پرستوں کا غلبہ ہوا تدین مغلوب ہونے لگا پس علما امت کو قوی اندیشہ دین کے ضائع ہونے کا ہوا پس ضرورت اس کی واقع ہوئی کہ دین کی بجمیع اجزائہ تدوین [۱۲] کی جاوے

(۱) جو چیز ذریعہ بنی ہے اس بدعت کے ایجاد کرنے کا وہ سبب بھی نیا ہے اور اس پر شریعت کا کوئی حکم موقوف ہے کہ جب تک اس پر عمل نہ کریں شریعت کے اس حکم پر عمل کرنا ممکن نہیں

(۲) خانقاہوں کا بنایا جانا (۳) ان کے ایجاد کرنے کا سبب بنا ہے (۴) ان پر شریعت کا حکم موقوف ہے (۵) اس مختصر کی تفصیل یہ ہے (۶) حضور ﷺ کے زمانہ میں

(۷) دین کی حفاظت کے لیے جو واسطے اب اختیار کیے جاتے ہیں ان میں سے کسی کی ضرورت نہیں تھی

(۸) حضور ﷺ کی صحبت کی برکت سے تعلق مع اللہ سب کو حاصل تھا اس کے لیے مزید مجاہدات کی ضرورت نہیں تھی (۹) پتھر پے لکیر کی طرح دل میں بات جم جاتی تھی

(۱۰) سمجھداری بہت زیادہ تھی (۱۱) تقویٰ اور دین داری (۱۲) ضرورت اس بات کی پیش آئی کہ دین کے سب اجزاء کو محفوظ کیا جائے

چنانچہ کتب دینیہ حدیث اصول حدیث فقہ عقائد میں تصنیف ہوئیں اور ان کی تدریس کے لیے مدرس تعمیر کیے گئے اسی طرح نسبت مسلمہ کے اسباب تقویت و بقاء کے لیے بوجہ عام رغبت نہ رہنے کے مشائخ نے خانقاہیں بنائیں اس لیے کہ بغیر ان خانقاہوں کے دین کی حفاظت کی کوئی صورت نہ تھی پس یہ چیزیں وہ ہوئیں کہ سبب ان کا جدید[1] ہے کہ وہ سبب خیر القرون میں نہ تھا اور موقوف علیہ حفاظت دین ماموربہ کی ہیں پس یہ اعمال گو صورۃً بدعت ہیں لیکن واقع میں بدعت نہیں بلکہ حسب قاعدہ مقدمۃ الواجب واجب (واجب کا مقدمہ واجب ہے) واجب ہیں اور دوسری قسم وہ چیزیں ہیں جن کا سبب قدیم ہے جیسے مجالس میلاد مروجہ اور تیجہ دسواں وغیرہا من البدعات کہ ان کا سبب قدیم ہے مثلاً مجلس میلاد کے منعقد کرنے کا سبب فرح علی الولادۃ النبویہ (ولادت نبویہ پر خوشی ہے) ہے اور یہ سبب حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی موجود تھا[2] لیکن حضور ﷺ نے یا صحابہ نے یہ مجالس منعقد نہیں کی کیا نعوذ باللہ صحابہ کا فہم یہاں تک نہیں پہنچا اگر سبب اس کا اس وقت نہ ہوتا تو البتہ یہ کہہ سکتے تھے کہ منشاء ان کا موجود نہ تھا لیکن جبکہ باعث اور بناء اور مدار موجود تھا پھر کیا وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے کبھی مجلس میلاد منعقد کی اور نہ صحابہؓ نے۔

ایسی شئے کا حکم یہ ہے کہ وہ بدعت ہیں صورۃً بھی اور معنیً بھی اور حدیث "من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ (جس شخص نے ہمارے اس دین میں ایسی چیز پیدا کی جو اس میں سے نہیں ہے) میں داخل ہو کر واجب الرد ہیں اور پہلی قسم مامنہ (جو اس دین میں سے ہے میں داخل ہو کر مقبول ہے یہ قاعدہ کلیہ ہے۔

---

(۱) یعنی غفلت اور قلتِ صحبت جو کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھا

(۲) کہ اس زمانہ میں بھی یوم ولادت آتا تھا

بدعت اور سنت کے پہچاننے کا اس سے تمام جزئیات کا حکم مستنبط[1] ہوسکتا ہے۔

اور ان دو قسموں میں ایک اور فرق عجیب ہے وہ یہ ہے کہ پہلی قسم کے تجویز کرنے والے خواص یعنی علماء ہوتے ہیں اور اس میں عوام تصرف نہیں کرتے اور دوسری قسم کے تجویز کنندہ عوام کالانعام[2] ہوتے ہیں اور وہی اس میں ہمیشہ تصرفات[3] کیا کرتے ہیں چنانچہ مولد شریف کی مجلس کو ایجاد بھی ایک بادشاہ نے کیا ہے کہ اس کا شمار عوام ہی میں ہے اور عوام ہی اب تک اس میں تصرف بھی کر رہے ہیں چنانچہ چند روز سے اس میں ایک اور ترقی ہوئی ہے کہ اس دن عید منانے لگے ہیں اور اس کا نام رکھا عید میلاد النبی ﷺ پرانی رسم مولد کے متعلق تو علماء نے مستقل رسائل لکھے ہیں جیسے براہین قاطعہ وغیرہ اور احقر نے بھی اصلاح الرسوم میں مفصل بحث لکھی ہے لیکن اس نئی رسم کے متعلق جس کا نام عید میلاد النبی ﷺ رکھا گیا ہے اب تک کوئی رسالہ نظر سے نہیں گزرا اگرچہ اجمالاً میں نے گذشتہ دو سال کے دو وعظ میں اس کا کچھ بیان کیا ہے جو طبع ہو گیا ہے لیکن مفصل بحث اس کے متعلق نہیں کی گئی آج اسی کے متعلق بیان کرنے کا ارادہ ہے لیکن تمہید میں دیر ہو گئی خیر مقصود اکثر مختصر ہی ہوتا ہے اس لیے اس میں زیادہ دیر نہ ہوگی لیکن اتنا مختصر بھی نہ ہوگا کہ کوئی پہلو رہ جائے۔

ادلہ اربعہ سے مروجہ میلاد کا رد

جاننا چاہیے کہ عید میلاد النبی ﷺ کے نام سے جو ایک رسم شائع ہوئی اس کے متعلق دو کلام ہیں ایک تو اس کے نام مشروع ہونے کے متعلق دلائل دوسرے مخالفین کے دلائل کا جواب اس کے بعد سمجھیے کہ شریعت کے دلائل چار

---

(۱) نکل سکتا ہے (۲) مثل جانور (۳) تبدیلیاں

ہیں کتاب، سنت، اجماع، قیاس ان شاء اللہ تعالیٰ چاروں سے گفتگو کی جاوے گی اول کتاب اللہ کو لیجیے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "ام لهم شركاء شرعوا لهم من الدين مالم ياذن به الله" یعنی کیا ان کے لیے شرکاء ہیں کہ انہوں نے ان کے لیے دین کی وہ بات مقرر کردی جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ دین کی بات بدون اذن[1] الٰہی یعنی بدون[2] دلیل شرعی کسی کو مقرر کرنا مذموم و مستنکر[3] ہے یہ تو کبریٰ ہے اور صغریٰ[4] یہ ہے کہ عید میلاد النبی ﷺ دین ہی کی بات سمجھ کر بلا دلیل مقرر کی گئی ہے اور دلیل نہ ہونا جزئیاً تو ظاہر ہے کہ یہ امر شریعت[5] میں نہیں ہے امر مستحدث[6] ہے اگر احتمال ہے تو اس کا ہے کہ کسی کلیہ میں داخل کرتے ہوں گے مفصل گفتگو تو ان کلیات کی جس میں یہ داخل ہوسکتی ہے آگے آوے گی باقی مجملاً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ سبب داعی اس کا قدیم[7] ہے خواہ وہ فرح ہو یا اظہار شوکت اسلام ہو کہ وہ بھی قدیم ہے بہرحال ان میں سے جو بھی سبب ہو تو ہم یہ کہتے ہیں کہ جبکہ یہ سبب حضور ﷺ اور صحابہ خیر القرون[8] کے زمانہ میں بھی موجود تھا اور وہ حضرات قرآن و حدیث کو خوب سمجھنے والے تھے اور ایسا سمجھتے تھے کہ اس کو دیکھ کر اب اجتہاد کو جائز نہیں رکھا گیا پس جب مسلّم[9] ہوچکا کہ وہ کتاب و سنت کو ہم سے زیادہ سمجھنے والے تھے اور یہ سبب بھی اس وقت موجود تھے یعنی اظہار فرح[10] اور شوکت اسلام کی اس وقت بھی ضرورت تھی بلکہ اس وقت سے زیادہ ضرورت تھی مگر ان حضرات نے اس پر عمل نہیں کیا پس معلوم ہوا کہ کسی کلیہ میں داخل کرنا

---

(1) بغیر اللہ کی اجازت کے (2) بغیر شرعی دلیل (3) ناپسندیدہ اور قابل نکیر ہے

(4) منطق کی دو اصطلاحیں ہیں یعنی پہلا مقدمہ اور پھر دوسرا مقدمہ (5) شرعی کام

(6) خود پیدا کردہ کام ہے (7) اس کے ایجاد کرنے کا سبب پرانا ہے یعنی پہلے سے ہے

(8) صحابہ کے بہترین زمانے میں (9) جب یہ بات تسلیم کی جاچکی (10) خوشی کا اظہار

اس کو صحیح نہیں اور یہ بالکل محدث و جدید ہے کہ جس کی کچھ اصل نہیں اور بدعت کی حقیقت یہی ہے کہ غیر دین کو دین سمجھ کر کیا جاوے اور اس کو یہ لوگ دین سمجھتے ہیں پس یہ بدعت واجب الترک ہے یہ تو قرآن مجید سے اس کے متعلق کلام تھا۔

حدیث سے مروجہ میلاد کی تردید

اب حدیث لیجیے حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "من احدث فی امرنا هذا ماليس منه فهو رد" یعنی جو شخص ہمارے اس دین میں وہ شے نکالے جو اس میں سے نہیں پس وہ واجب الرد ہے جو تقریر آیت کے ذیل میں کی گئی ہے وہی یہاں بھی ہے مراد نئی شے سے وہ ہے جس کا سبب قدیم ہو اور پھر اس وقت معمول بہ نہ ہوئی ہو یا وہ جس کا سبب جدید ہو اور نیز وہ موقوف علیہ کسی مامور بہ[1] کی ہو وہ مامور بہ ہوگی دین میں سے ہے اس میں داخل ہو کر واجب ہے۔ اور دوسری حدیث لیجیے مسلم کی روایت ہے "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالي ولاتختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الأيام الا ان يكون في صوم يصومه احدكم . یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ شب جمعہ کو اور راتوں میں سے شب بیداری کے ساتھ خاص مت کرو اور یوم جمعہ کو ایام میں سے روزہ کے ساتھ خاص مت کرو مگر یہ کہ اس دن میں کوئی تم میں پہلے سے روزہ رکھتا ہو اس حدیث سے یہ قاعدہ کلیہ[2] نکلا کہ جو تخصیص منقول نہ ہو وہ منہی عنہ[3] ہے یہ دوسری بات ہے کہ جمعہ کے روز روزہ رکھنا کیسا ہے ہمارے علماء نے دوسری دلیل مستقل سے جواز کا حکم دیا

---

(۱) اس پر کوئی ایسا کام موقوف ہو جس کا شریعت نے حکم دیا ہو (۲) اصول قاعدہ
(۳) قرآن و حدیث وغیرہ میں جس چیز کی تخصیص نہ ہو اس سے روکا جائے گا

ہے اور نہی کو عارضی کہا ہے اس وجہ سے کہ روزہ رکھ کر وظائف جمعہ سے ضعیف نہ ہو جاوے یہ ذوقی گفتگو ہے یہاں تو صرف اس قاعدہ کلیہ کا استنباط کرنا مقصود ہے سو اس قاعدہ کی صحت میں مجوزین صوم[1] جمعہ کو بھی کلام نہیں ہے غرض یہ قاعدہ کلیہ کہ تخصیص غیر منقول دین کے اندر جائز نہیں صحیح ہے یہ تو کبریٰ ہے اب خاص یوم ولادت کو عید منانے کی تخصیص[2] دیکھیے کہ یہ تخصیص کیسی ہے ظاہر ہے کہ منقول[3] نہیں ہے اور نہ تخصیص عادی[4] ہے بلکہ اس کو دین کی بات سمجھتے ہیں چنانچہ اس کے تارک[5] کو ملامت کرتے ہیں اور بد دین سمجھتے ہیں اگر تخصیص عادی ہوتی تو ملامت نہ کرتے اور نہ اس کو بد دین جانتے جیسے کسی کی عادت ململ پہننے کی ہو تو اس کے تارک کو ملامت نہیں کرتے بہر حال اس کو دین سمجھتے ہیں پس یہ تخصیص دین میں ہوئی اور غیر منقول ہوئی یہ صغریٰ ہوا اور کبریٰ اوپر آچکا ہے نتیجہ ظاہر ہے کہ یہ تخصیص ناجائز ہے بلکہ اگر غور کیا جاوے تو مقیس علیہ[6] یعنی یوم جمعہ سے بھی یہ بڑھ کر ہے اس لیے کہ یوم جمعہ کے فضائل تو احادیث میں صراحۃً وارد بھی ہیں اور یوم ولادت کی فضیلت صراحۃً وارد نہیں گو قواعد سے فی نفسہ یوم ولادت میں برکت اور فضیلت کے سب ہی مسلمان قائل ہیں ایسا کون ہوگا جو اس دن بلکہ اس ماہ کی برکت کا قائل نہ ہو چنانچہ سیوطیؒ یا علی قاری اس ماہ کی فضیلت میں فرماتے ہیں

لهذا الشهر في الاسلام فضل ومنقبة تفوق على الشهور

ربيع في ربيع في ربيع[7] ونور فوق نور فوق نور

---

(۱) جو جمعہ کے روزے کو جائز قرار دیتے ہیں اصول کو وہ بھی مانتے ہیں (۲) یوم ولادت کو خوشی منانے کے لیے خاص کرنا (۳) حدیث قرآن میں نہیں (۴) عادۃً بھی خاص نہیں (۵) چھوڑنے والا (۶) جس دلیل پر اس مسئلہ کو قیاس کیا ہے (۷) پہلے ربیع سے مراد حضرت کی ذات ہے دوسرے سے مراد موسم بہار ہے تیسرے سے مراد ماہ ربیع الاول ہے

(اس مہینہ کے لیے اسلام میں بزرگی ہے اور ایسی منقبت ہے جو تمام مہینوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ ربیع ہے ربیع میں ربیع میں نور ہے نور پر نور پر)۔

اور میں اس پر اضافہ کر کے کہتا ہوں۔

ظهور فی ظهور فی ظهور　　سرور فی سرور فی سرور

(ظہور ہے ظہور در ظہور۔ سرور ہے سرور در سرور)

اور اس میں دو پچھلے وعظوں کا نام بھی آ گیا نور اور ظہور۔ اور آج کے بیان کا نام السرور رکھتا ہوں۔ اس میں وہ بھی آ گیا پس فی نفسہ برکت اور فضیلت کا انکار نہیں گفتگو اس میں ہے کہ جیسے جمعہ کے فضائل تصریحاً وارد ہیں ایسے یوم ولادت کے نہیں پس جس کے فضائل منصوص بھی نہیں تو اس کی تخصیص کیسے ناجائز نہ ہوگی۔

بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ یوم فضیلت کی فضیلت بھی حدیث میں آئی ہے چنانچہ آیا ہے کہ حضور ﷺ دو شنبہ کے روز روزہ رکھا کرتے تھے کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ اس دن روزہ کیوں رکھتے ہیں فرمایا "ولدت یوم الاثنین" یعنی میں پیر کے دن پیدا ہوا ہوں تو اس کا جواب ان شاء اللہ مخالفین کے دلائل کے ذیل میں آوے گا۔ اور تیسری حدیث سنیے نسائی نے روایت کیا ہے "قال رسول اللّٰہ لاتجعلوا قبری عیداً وصلوا علیّ فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم"۔ ترجمہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری قبر کو عید مت بناؤ اور مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود میرے پاس پہنچے گا جہاں کہیں تم ہوگے اس حدیث میں غیر عید منانے کی بالتخصیص[1] ممانعت ہے۔

---

(۱) خاص طور پر

شبہ کا جواب

شاید کوئی اس میں شبہ کرے کہ حضور ﷺ کی قبر پر تو سب جمع ہوتے ہیں جواب یہ ہے کہ جانا تو جائز ہے لیکن عید کے طرز پر جمع ہونا منہی عنہ[1] ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عید میں جیسے جمع ہوتے ہیں اس طرح میری قبر پر جمع مت ہو اور عید میں اس طرح جمع ہوتے ہیں کہ اس کی تاریخ معین ہوتی ہے اور نیز اس میں تداعی یعنی اس کا ایک اہتمام ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو وہاں جمع ہونے کے لیے بلاتا ہے پس اس طرح جمع ہونے کی ممانعت ہے، اور اتفاقی اجتماع سے ممانعت نہیں ہے چنانچہ روضۂ اقدس ﷺ کی زیارت کے لیے جو جاتے ہیں تو اس میں یہ دونوں امر نہیں ہیں اس کی کوئی تاریخ خاص معین نہیں ہے بلکہ آگے پیچھے کیف ما اتفق[2] قافلے جاتے ہیں اور زیارت کرکے چلے آتے ہیں اور نہ کچھ اہتمام ہے کہ سب کا اجتماع ضروری سمجھا جاتا ہو بہر حال اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ قبر شریف پر بطور عید کے جمع ہونا ناجائز ہے پس جس طرح عید مکانی ممنوع عنہ[3] ہے اسی طرح عید زمانی[4] بھی منہی عنہ ہوگی اب رہ گئی یہ بات کہ اس کے بعد "صلوا علی فان صلاتکم تبلغنی حیث کنتم" (مجھ پر درود بھیجو اس لیے تمہارا درود جہاں بھی تم ہو مجھ پر پہنچے گا) بڑھانے سے تو اجتماع کا عدم جواز بھی مفہوم ہوتا ہے جیسا علت فان صلوتکم ظاہراً اس پر دال ہے سو شراح نے مختلف توجیہات اس کی کی ہیں میرے ذہن میں سب سے اقرب توجیہ اس کی یہ آتی ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ اس نہی لاتجعلوا میں اہل بدعات یہ عذر کرسکتے تھے کہ ہم تو صلوۃ یعنی درود شریف پڑھنے کے لیے حضور ﷺ کے روضۂ

---

(۱) ممنوع ہے (۲) جیسے جس کو اتفاق ہو (۳) مکان کو عید بنانا یعنی قبر مبارک
(۴) زمانے کو عید منانا یعنی ربیع الاول کو یہ بھی ممنوع ہے

اقدس ﷺ پر جمع ہوتے ہیں اور صلوٰۃ مامور بہ[1] ہے تو ہمارا اجتماع جائز ہوگا تو حضور ﷺ اس شبہ کا جواب دیتے ہیں اور اس احتمال کا استیصال[2] فرماتے ہیں کہ درود شریف یہاں آنے پر موقوف نہیں ہے جہاں کہیں تم ہوگے درود شریف میرے پاس پہنچتا ہے اس لیے یہ عذر غیر موجہ ہے اور اس سے ایک بڑی بات مستنبط[3] ہوتی ہے کہ صلوٰۃ جس کے بعض افراد مندوب اور بعض واجب اور بعض فرض ہیں[4] جب اس کے لیے عید کے طور پر جمع ہونا جائز نہیں ہے تو کسی اور غرض مخترع[5] کے لیے جمع ہونا تو کیسے جائز ہوگا۔

مدینہ کی حاضری بغرض زیارت ہے

لیکن اس سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ خود زیارت کے لیے جانا بھی جائز نہیں اس لیے کہ وہاں جو جاتے ہیں تو مقصود اصلی صلوٰۃ نہیں ہے بلکہ زیارت مقصود ہے اور وہ بدون حضور قبر ہر جگہ ممکن نہیں اور زیارت کا مندوب ہونا دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے بلکہ قرآن شریف سے بھی اس کا استحباب معلوم ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے "ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفرلہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما ۔ ترجمہ: یہ ہے کہ جب ان لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا یعنی معاصی ان سے سرزد ہوئے تھے اگر اس وقت یہ لوگ آپ کی خدمت میں آتے اور وہاں آکر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول اللہ ﷺ) یعنی آپ بھی ان کے لیے دعائے مغفرت فرماتے تو بے شک اللہ تعالیٰ کو توبہ کا قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا پاتے اور جاؤک (آپ کے پاس

---

(۱) درود پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے (۲) جڑ سے اکھاڑ پھینکتے ہیں (۳) نکلتی ہے
(۴) درود شریف بعض صورتوں میں مستحب بعض میں واجب بعض میں فرض ہے
(۵) اپنی گھڑی ہوئی غرض کے لیے

آتے) یہ عام ہے خواہ حیات میں ہو یا بعد الممات[1] ہو اس سے زیارت کا مندوب[2] ہونا بلکہ تاکد معلوم ہوتا ہے اور اس پر بشارت ہے کہ وہاں حاضر ہو کر توبہ کرنے سے توبہ قبول ہوتی ہے۔ ایک لطیفہ یاد آیا کہ کانپور کے ایک مدرسہ میں بچوں کا امتحان ہو رہا تھا ان کو چہل حدیث یاد کرائی گئی تھی ممتحنین میں ایک صاحب اہل ظاہر بھی تھے حدیث یہ آئی "من حج ولم یزرنی فقد جفانی" یعنی جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے میرے ساتھ بے مروتی کی وہ صاحب کہنے لگے کہ یہ حدیث تو حیات کے ساتھ مخصوص ہے بچہ کیا جواب دیتا وہ آگے پڑھنے لگا اتفاق سے اس کے بعد یہ حدیث تھی "من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی" یعنی جس نے میری زیارت میری وفات کے بعد کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ایک مولوی صاحب ان کے پاس بیٹھے تھے انہوں نے فوراً کہا کہ مولانا آپ کا جواب ہو گیا دیکھیے اس میں صاف ارشاد ہے کہ جو بعد ممات کے زیارت کرے وہ ایسا ہی ہے جیسے حیات میں زیارت کی اور زیارت فی الحیوۃ[3] کی مشروعیت کو آپ بھی مانتے ہیں۔ بہرحال وہاں زیارت کے لیے جاتے ہیں صلوۃ[4] سفر سے مقصود بالذات نہیں اور زیارت کی کوئی تاریخ معین نہیں ہے اور نہ اہتمام عید کا سا ہے پس اس کی ممانعت نہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اسی طرح اور بھی جن حدیثوں سے بعض لوگوں نے اس کی ممانعت سمجھی ہے ان کو غلط فہمی ہوئی ہے زیادہ تر ایسے لوگ اس حدیث کو پیش کیا کرتے ہیں

(۱) زندگی میں ہو یا بعد وفات (۲) مستحب ہونا

(۳) زندگی میں زیارت کو شرعی حکم آپ بھی مانتے ہیں (۴) درود

"لاتشد الرحال الا الی ثلثۃ مساجد المسجد الحرام ومسجدی ھذا والمسجد الاقصیٰ" الخ. یعنی کجاوے مت باندھو مگر تین مسجدوں کی طرف مسجد حرام و مسجد نبوی ﷺ اور مسجد اقصیٰ تقریر ان کے استدلال کی یہ ہے کہ حضور ﷺ نے سفر کی ممانعت فرمائی ہے مگر ان تینوں مسجدوں کی جانب پس معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ اگر سفر کرکے جاوے تو مسجد کی نیت سے جاوے روضہ اقدس ﷺ کا قصد نہ کرے کہ وہ ان ثلثۃ[1] کا غیر ہے یہ ہے تقریر ان کے استدلال کی۔ جواب یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ مستثنیٰ جنس مستثنیٰ منہ سے[2] ہو یہاں مستثنیٰ[3] مساجد ہیں پس مستثنیٰ منہ بھی مسجد ہی ہونا اصل ہے کہ وہی جنس قریب ہے پس تقدیر کلام کی یہ ہوگی "لاتشد الرحال الی مسجد الا ثلثۃ مساجد" یعنی کسی مسجد کی طرف سفر کرکے مت جاؤ مگر ان تین مسجدوں کی طرف پس قبر شریف سے اس حدیث میں کوئی تعرض[4] ہی نہیں اس کی زیارت کا تاکد بحالہ دوسری احادیث سے ثابت ہے اور ان تین مسجدوں کی تخصیص اس لیے فرمائیں کہ ان تین میں مضاعفت اجر کی منصوص[5] ہے اور کسی مسجد کے لیے منصوص نہیں ہے پس حاصل حدیث کا یہ ہے کہ ثواب کی زیادتی کے اعتقاد سے کسی مسجد کی طرف سفر نہ کرو اس لیے کہ کسی مسجد کے لیے زیادتی ثواب کی منقول نہیں ہے بہرحال خاص زیارت قبر شریف کے قصد سے بھی سفر کرنا مندوب[6] ہے۔

چوتھی حدیث یہ ہے کہ عید کے روز کچھ لڑکیاں کھیل رہی تھیں اور حضور ﷺ تشریف رکھتے تھے حضرت عمرؓ تشریف لائے اور انہوں نے ان

---

(۱) ان تین کے علاوہ ہے (۲) یعنی دونوں کی جنس ایک ہو (۳) مستثنیٰ اس کو کہتے ہیں کہ ماقبل کے لیے جو حکم بیان کیا جائے اس کے لیے وہ ثابت نہ ہو (۴) اس حدیث سے قبر کی عدم زیارت کو ثابت نہیں کیا جاسکتا (۵) ان میں ثواب کی زیادتی دلائل شرعیہ سے ثابت ہے

لڑکیوں کو ڈانٹا حضور ﷺ نے فرمایا "ان لکل قوم عیدا وھذا عیدنا" یعنی اے عمر منع نہ کرو ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے اس حدیث میں علت ان کے کھیلنے کے اباحت[1] کی یہ فرمائی کہ یہ ہماری عید ہے اس میں جواز لعب[2] کو یوم عید[3] ہونے سے معلل فرمایا گیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم عید کے ساتھ خاص ہے سو اگر ہر شخص کو عید منانا جائز ہو تو ہر روز ایسا لعب جائز ہو جاوے گا اور تخصیص منصوص[4] باطل ہو جاوے گی جس سے کلام شارع کا الغاء[5] لازم آوے گا یہ تو قرآن و حدیث سے ممانعت اس عید مخترع[6] کی ثابت ہوئی۔

اجماع صحابہ سے مروجہ میلاد کا رد

اب رہا اجماع سو اس سے بھی ثابت ہے تقریر اس کی یہ ہے کہ قاعدہ اصولیہ ہے کہ تمام امت کا کسی امر کے ترک پر متفق ہونا یہ اجماع ہوتا ہے اس کے عدم جواز پر چنانچہ فقہاء نے جا بجا اس قاعدہ سے استدلال کیا ہے جس طرح سے کہ صحابہؓ حضور ﷺ کے کسی فعل کو ہمیشہ ترک کرنے سے استدلال کرتے تھے مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے عید کی نماز پڑھی لیکن اس میں اذان اور تکبیر نہیں تھی اسی طرح جس شئے کو تمام امت نے ترک[7] کر دیا ہو وہ واجب الترک ہے اسی بناء پر فقہاء نے صلوۃ عیدین بلا اذان و تکبیر کہا ہے پس اگر یہ قاعدہ مسلم نہ ہوتا تو آج سے عیدین میں اذان اور تکبیر کا بھی اضافہ کر دینا چاہیے اور اگر مسلم ہے تو اس قاعدہ سے اور جگہ بھی کام لو اس پر ایک یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ تمام امت نے عید میلاد النبی ﷺ کو ترک نہیں کیا اس لیے کہ امتی تو آخر ہم بھی ہیں سو ہم اس کو

---

(۱) کھیل کے جواز کی علت (۲) کھیل (۳) عید کا دن (۴) حذا یوم عید کی خصوصیت باطل ہو جائے گی (۵) بے کار ہونا (۶) اپنی گھڑی ہوئی عید (۷) چھوڑ دیتا ہو

کرتے ہیں پس اجماع کہاں رہا جواب اس کا یہ ہے کہ اصول فقہ کا قاعدہ مسلمہ ہے کہ اختلاف متاخر اتفاق متقدم[1] کا رافع نہیں ہے یعنی جس امر پر تمام امت کا اتفاق زمان سابق میں متحقق ہوچکا ہو اب اس اتفاق کو بعد کا اختلاف نہ اٹھاوے گا پس جب تک تم لوگوں نے اس کو ایجاد نہیں کیا تھا اس وقت تک تو امت کا اس کے ترک پر اتفاق تھا اب وہ اتفاق مرتفع نہیں ہوسکتا اس قاعدہ کی ایک جزئی اور ہے کہ علماء حنفیہ نے نماز جنازہ کا تکرار جائز نہیں رکھا اور دلیل بھی لکھی ہے کہ صحابہ اور تابعین سے ثابت نہیں غرض یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ امت کا کسی امر کو ترک کرنا اس کے عدم جواز کی دلیل ہے پس بفضلہ تعالیٰ اجماع امت سے بھی ثابت ہوگیا کہ یہ عید بدعت اور امر مخترع واجب الترک ہے۔

قیاس سے مروجہ میلاد کا ترک

اب رہا قیاس تو قیاس کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ قیاس جو مجتہد سے منقول ہے اور ایک وہ جو مجتہد سے منقول نہ ہو اور یہ قاعدہ کہ غیر مجتہد کا قیاس منقول نہیں ہے یہ ان واقعات میں ہے کہ جو مجتہدین کے زمانہ میں پائے گئے ہیں اور جو نئے واقعات پیش آویں ان میں قیاس غیر مجتہد کا معتبر ہے چنانچہ جس قدر نئی تجارتیں اور ایجادات اس زمانہ میں ہوئی ہیں سب کا حکم قیاس سے ہی ثابت ہوتا ہے مع ہذا ہم خود قیاس نہیں کرتے اس لیے ہم کو قیاس کرنے کی ضرورت تو جب تھی جبکہ سلف[2] کے کلام میں اس سے تعرض[3] نہ ہوتا اس لیے کہ ان حضرات کا قیاس ہمارے قیاس پر مقدم ہے اور ان کے کلام میں اس سے تعرض ہے چنانچہ تبعید الشیطان[4] وصراط مستقیم میں بہت زور شور سے اس پر گفتگو کی

(۱) بعد کا اختلاف پہلے کے اتفاق کو اٹھانے والا نہیں ہوتا (۲) علماء سابق
(۳) بحث نہ کی جاتی (۴) کتابوں کے نام ہیں

ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ کسی زمان یا مکان کو عید بنانا ممنوع ہے اس میں کچھ ضروری عبارت اشاعت کے وقت آخر میں ملحق[1] کردی جاوے گی (چنانچہ اب ایسا ہی کیا گیا) پس قیاس سے بھی اس عید کا ناجائز ہونا ثابت ہوا۔ یہ تو ہمارے دلائل تھے۔

عید میلاد النبی ﷺ منانے والوں کے دلائل اور ان کے جوابات

اب موجدین عید کے دلائل کی تقریر اور ان کا جواب سنیے اور ان کی طرف نسبت دلائل کی میں نے اس احتمال سے کردی ہے کہ شاید ان میں سے کبھی کوئی ان سے استدلال کرنے لگے ورنہ میں نے یہ دلائل ان سے منقول نہیں دیکھے بلکہ وہ تو اگر برسوں بھی کوشش کریں تو ان کو ایک دلیل بھی میسر نہ ہو اسی واسطے جی تو نہ چاہتا تھا کہ ان کو دلائل دیے جاویں لیکن صرف اس وجہ سے کہ کسی کو کوئی گنجائش نہ رہے اس لیے میں ان دلائل کو بھی مع جواب نقل کیے دیتا ہوں۔

پہلی دلیل

اول وہ آیت "قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا (اے محمد ﷺ فرما دیجیے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے چاہیے کہ خوش ہوں) سے استدلال کرسکتے ہیں کہ اس ایت سے فرحت کا مامور بہ[2] ہونا ثابت ہوا اور یہ عید بھی اظہار فرحت ہے، لہذا جائز ہے۔

جواب

جواب ظاہر ہے کہ اس آیت سے فقط فرحت کا مامور بہ[3] ہونا نکلا اور گفتگو کی ہیئت خاص[4] میں ہے لہذا اس آیت سے اس کو کوئی مس[5] نہیں اور کر

---

(۱) آخر میں بڑھا دی جائے (۲) اس آیت سے خوشی منانے کا حکم ثابت ہو
(۳) صرف خوشی کا حکم ثابت ہوا (۴) خاص طریقے سے خوشی منانے (۵) تعلق نہیں

اس کلیہ میں داخل کرنا اس کا صحیح ہو تو فقہاء نے کتب فقہ میں جن بدعات کو رد کا ہے وہ بھی کسی نہ کسی ایسے ہی کلیہ میں داخل ہو سکتی ہیں چاہیے کہ وہ بھی جائز ہو جاویں حالانکہ کتب فقہ جو مسلم[۱] عند الفریقین ہیں ان میں ان کی ممانعت مصرحاً[۲] مذکور ہے اور ان اہل زیغ کو ہمیشہ یہ دھوکا ہوتا ہے اور یا تجاہل ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اور اہل حق کے قضیہ کا موضوع ایک ہے اسی بنا پر اہل حق پر اعتراض کردیتے ہیں چنانچہ یہاں بھی مغالطہ ہے ہم جس بات کو ناجائز کہتے ہیں وہ ہئیت خاصہ ہے اور جو فرحت آیت فلیفرحوا سے ثابت ہوتی ہے وہ فرحت مطلقہ ہے پس یہ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ فرحت کو منع کرتے ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں بلکہ اگر غور سے کام لیا جاوے تو ہم اس فرحت پر زیادہ عمل کرتے ہیں اس لیے کہ یہ موجدین تو سال بھر میں ایک ہی مرتبہ خوش ہوتے ہیں اور درمیان میں ان کی فرحت منقطع[۳] ہوجاتی ہے اور ہم ہروقت خوش ہیں پس جو فرح کو منقطع کردیں وہ آیت کے تارک ہیں ہم تو کسی وقت بھی قطع نہیں کرتے پس ہم بفضلہ تعالیٰ آیت پر بھی ہروقت عمل کرتے ہیں اور دلائل منع بدعات پر بھی عامل ہیں اور اہل بدعات کو دونوں امر نصیب نہیں ہیں خلاصہ یہ ہوا کہ فرح مامور بہ کے تین درجہ ہیں افراط۔ تفریط۔ اعتدال۔ تفریط[۴] تو یہ ہے کہ تحدید[۵] بالحاء المہملہ (حاء مہملہ[۶] کے ساتھ) کردیں کہ فلاں وقت پر یہ فرح ختم ہوگئی جیسا بعض خشک مزاجوں کے کلام سے مترشح[۷] ہوگیا ہے اور افراط[۸] یہ ہے کہ فرح کو جاری رکھیں مگر حدود شرعیہ سے تجاوز کریں جیسا اہل تجدید[۹] بالجیم المعجمہ کا طریق متعارف ہوگیا اور

---

(۱) دونوں جماعتوں کے نزدیک تسلیم شدہ (۲) صراحت (۳) ختم (۴) کمی
(۵) اس کی حد متعین کرنا (۶) حا بغیر نقطے کے (۷) ظاہر ہوتا ہے
(۸) زیادتی (۹) نئے متدعین

اعتدلال دوام[1] میں ہے پس ہم نہ محدو ہیں نہ مجدد بلکہ قدیم[2] ہیں والحمد لله علی ذلک (اس پر خدا تعالیٰ کا شکر ہے)۔

دوسری دلیل

دوسرا استدلال موجدین کا اس حدیث سے ہوسکتا ہے کہ جب ابولہب نے حضور ﷺ کی خبر سنی تو خوشی میں آکر ایک باندی آزاد کردی تھی اور اس پر عقوبت[3] میں تخفیف ہوگئی پس معلوم ہوا کہ ولادت پر فرح[4] جائز و موجب برکت ہے۔

جواب

جواب اس کا بھی ظاہر ہے کہ ہم نفس فرحت کے منکر نہیں ہیں بلکہ اس پر ہر وقت حامل ہیں گفتگو تو اس ہیئت کذائیہ[5] میں ہے۔

تیسری دلیل

تیسرا استدلال اس آیت سے ہوسکتا ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "اذ قال الحواریون یعیسی بن مریم هل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدة من السماء الی قوله ربنا انزل علینا مائدة من السماء تکون لنا عیداً لاولنا واٰخرنا واٰیة منک"[6]. یعنی یاد کرو اس وقت کو جب کہ حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل فرما دیں عیسیٰ علیہ السلام کی اس دعا تک کہ اے اللہ ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما کہ وہ ہمارے لیے عید بن جاوے ہمارے پہلوں کے لیے اور ہمارے پچھلوں کے لیے

---

(1) ہمیشگی (2) یعنی ہمیشہ ذکر کرنے والوں میں سے ہیں اور آپ کی ولادت پر خوشی کو نہ محدود کرتے ہیں نہ حد سے بڑھا کر شرعی حدود سے نکلتے ہیں (3) عذاب (4) خوشی
(5) گفتگو تو مذکورہ انداز میں خوشی منانے میں ہے (6) المائدہ: آیت۔ ۱۱۲ تا آیت ۱۱۴

اور ایک نشانی قدرت کی ہو آپ کی طرف سے اس آیت سے معلوم ہوا کہ عطاء نعمت کی تاریخ کو عید بنانا جائز ہے اور ہمارے اصول میں یہ طے ہوچکا ہے کہ امم سابقہ کے شرائع اگر حق تعالیٰ ہم پر نقل فرما کر ان پر انکار نہ فرمادیں تو وہ ہمارے لیے حجت ہیں اور یہاں کوئی انکار نہیں پس معلوم ہوا کہ عطاء نعمت کی تاریخ کو عید بنانا جائز ہے اور حضور ﷺ کی ولادت ظاہر ہے کہ نعمت عظیمہ ہے پس آپ کی تاریخ ولادت کو عید بنانا جائز ہوگا۔

جواب

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ اس امر پر انکار اسی جگہ ہو جہاں وہ منقول ہے دیکھیے۔ واذ قلنا للملئکۃ اسجدوا لآدم" (جبکہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو) میں سجدہ تحیۃ منقول ہے اور سجدہ تحیہ و سجدہ تعظیمی ہماری شریعت میں منسوخ ہوچکا لیکن یہاں اس پر انکار منقول نہیں اس کے لیے دوسرے دلائل ہیں اسی طرح یہاں سمجھیے کہ جو آیت و احادیث ہم نے عید بنانے کی ممانعت میں اپنے دلائل میں بیان کی ہیں وہ اس پر انکار کے لیے کافی ہیں یہ جواب تو اس تقریر پر ہے جبکہ آیت کے معنیٰ یہی ہوں جو مستدل[1] نے بیان کیے ہیں ورنہ اس آیت سے یہ ثابت ہی نہیں ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا مطلب یہ ہے کہ نزول مائدہ کی تاریخ کو عید بنادیں اس لیے کہ تکون میں ضمیر مائدہ کی طرف راجع ہے پس اس سے یوم نزول المائدہ[2] لینا مجاز ہوگا اور یہ قاعدہ ہے کہ جب تک حقیقی معنیٰ بن سکیں مجاز کی طرف رجوع نہ کیا جاوے گا پس معنیٰ یہ ہیں تکون المائدۃ سرورا لنا یعنی وہ مائدہ ہمارے لیے سرور[3] کا باعث ہوجاوے عید کے معنیٰ متعارف نہیں ہیں بلکہ عید کا اطلاق مطلق سرور پر بھی آتا ہے یہ کیا ضروری

(۱) دلیل پکڑنے والے (۲) خوان کے نازل ہونے کا دن مراد لینا (۳) خوشی

ہے کہ جہاں کہیں لفظ عید آوے اس سے عید میلاد النبی ﷺ ہی مراد ہو جیسے حضرات شیعہ کے نزدیک جہاں کہیں م۔ت۔ع آتا ہے اس سے متعہ کا جواز ہی نکال لیتے ہیں ان کے نزدیک گویا شیخ سعدی کے شعر تمتع زہر گوشہ یافتم (ہر گوشہ سے میں متمتع ہوا) سے بھی متعہ نکلتا ہے اور آیت "ربنااستمتع بعضنا ببعض"(۱) کے بھی یہی معنی ہیں کہ اے رب ہمارے ہمارے بعض نے بعض سے متعہ کیا ہے ایسے ہی ان حضرات کے نزدیک جہاں کہیں ع۔ی۔د آوے اس سے عید میلاد النبی ﷺ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

چوتھی دلیل

چوتھا استدلال اس قصہ سے ہوسکتا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب آیت "الیوم اکملت لکم دینکم" الخ (آج کے دن میں نے تمہارے دین کو کامل کردیا) نازل ہوئی تو ایک یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنالیتے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یہ آیت عید کے ہی دن نازل ہوئی ہے یعنی یوم جمعہ اور یوم عرفہ کو نازل ہوئی ہے۔ اور ترمذی میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے نزلت فی یوم جمعۃ ویوم عرفۃ (یہ آیت جمعہ کے دن عرفہ کے دن نازل ہوئی) یہ حدیث کا مضمون ہے تقریر استدلال کی اس حدیث سے یہ ہے کہ حضرت عمرو بن عباسؓ نے عید بنانے پر انکار نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ عطا نعمت کی تاریخ کو عید بنانا جائز ہے اگرچہ یہ استدلال ان کو قیامت تک بھی نہ سوجھتا لیکن ہم نے تبرعاً نقل کیا ہے کہ ان کو اس میں بھی گنجائش ہوسکتی ہے۔

---

(۱) سورۃ الانعام

جواب

اس کے دو جواب ہیں ایک جواب تو یہی ہے کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ انکار نہیں کیا تو یہ کیا ضرور ہے کہ انکار یہاں ہی منقول ہو چنانچہ ہمارے فقہاء نے تعریف یعنی یوم عرفہ میں حجاج کے مشابہت سے جمع ہونے پر انکار فرمایا ہے یہ تو ضروری نہیں ہے کہ اسی مقام پر انکار کریں نیز حضرت ابن عباس نے تحصیب[1] کو لیس بشیئ (وہ کوئی چیز نہیں) کہا ہے حالانکہ وہ منقول بھی ہے مگر صرف عادت کو عبادت سمجھنے سے انہوں نے یہ انکار فرمایا تو غیر منقول کو قربت سمجھنا تو ان کے نزدیک زیادہ منکر ہوگا اور حضرت عمرؓ کا انکار اجتماع علی شجرۃ الحدیبیہ[2] پر مشہور ہی ہے۔ پس دونوں حضرات کا انکار ایسے امور پر ثابت ہو گیا گو ہر ہر مقام پر منقول نہ ہو دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ شخص مسلمان نہ تھا یہودی تھا اس کو خاص طور پر لزامی جواب دیا کہ ہمارے یہاں تو پہلے سے عید ہے بلکہ اس جواب سے خود معلوم ہوتا ہے کہ عید بنانا جائز نہیں یعنی مطلب حضرت عمرؓ کا یہ ہے کہ ہماری شریعت میں چونکہ تعیید[3] جائز نہیں ہے اس لیے ایسے عوارض سے ہم کسی دن کو اپنی طرف سے عید نہیں بنا سکتے تھے مگر خدا تعالیٰ نے پہلے ہی سے اس یوم کو عید بنا دیا۔

پانچویں دلیل

پانچواں استدلال اس حدیث سے وہ کرسکتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے پیر کے دن روزہ رکھا کسی نے وجہ پوچھی تو یہ ارشاد فرمایا "ذلک الیوم الذی

---

(۱) مابین مکہ و منیٰ رات کو قیام کرنا (۲) حضرت عمرؓ نے جس درخت کے نیچے حضور ﷺ سے بیعت رضوان کی تھی وہاں جمع ہونے کو منع فرمایا خواہ صرف برکت ہی کے لیے ہو کیونکہ اس سے بدعت کی ابتداء ہوتی آپ نے اس کو کٹوا دیا تھا (۳) خود سے عید بنانا

ولدت فیہ" یعنی میں اس دن پیدا ہوا ہوں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یوم الولادۃ عبادت اور قربت [1] کا دن ہے اور فرحت و سرور علی الولادۃ [2] قربت ہے لہذا یہ جائز ہے۔

جواب اول

اس کے بھی دو جواب ہیں اول تو یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یوم ولادۃ ہونا علت روزہ رکھنے کی ہے اس لیے کہ دوسری حدیث میں اس کی علت یہ منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جمعرات اور پیر کو نامہ اعمال پیش ہوتے ہیں تو میرا جی چاہتا ہے کہ میرے اعمال روزہ کی حالت میں پیش ہوں اس سے صاف معلوم ہوا کہ علت صوم کی عرض اعمال [3] ہے پس جب یہ علت ہوئی تو ولادت کا ذکر فرمانا محض [4] حکمت ہوگا اور مدار حکم کا علت ہوتی ہے اب آپ لوگ جو دیگر قربات کو قیاس کرتے ہو تو تم نے حکمت کو اصل علت ٹھہرادیا حالانکہ حکمت کے ساتھ حکم دائر نہیں ہوتا۔

جواب دوم

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ علت حکم کی یہی ہے لیکن علت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علت جو اپنے مورد [5] کے ساتھ خاص ہو۔ اور ایک وہ جس کا تعدیہ [6] دوسری جگہ بھی ہو اگر یہ علت متعدیہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس دن میں تلاوت قرآن اور اطعام طعام [7] وغیرہ ہما کیوں منقول نہیں اور نیز مثل صوم یوم الاثنین کے کہ یوم ولادت ہے تاریخ ولادت میں بھی ١٢ ربیع الاول ہے

---

(١) ثواب (٢) آپ کی پیدائش پر مسرت وخوشی منانے کا ثواب ہے (٣) اعمال کا پیش ہونا ہے (٤) صرف (٥) جس موقع پر وہ علت پائی جارہی ہے اس کے ساتھ خاص ہے (٦) دوسری جگہ بھی وہ علت پائی جاسکتی ہے (٧) کھانا کھلانا

روزہ رکھنا چاہیئے دوسرے یہ کہ نعمتیں اور بھی ہیں مثلاً ہجرت فتح مکہ مکرمہ معراج وغیرہا آپ نے ان کی علت سے کوئی عبادت کیوں نہ فرمائی پس اس سے معلوم ہوا کہ علت اگر ہے تو عام نہیں ہے بلکہ اسی مقام کے ساتھ خاص ہے اور اصل مدار روزہ رکھنے کا وحی ہے باقی حکمت کے طور پر ولادۃ کو ذکر فرمایا ورنہ دوسری نعمتوں کے دن بھی روزہ و تعیید[1] چاہیئے اور اگر اس پر کہا جاوے کہ تخصیص یوم ولادت کی وجہ یہ ہے کہ اصل ہے تمام نعمتوں کی پس ولادۃ اور ہجرت وغیرہ میں یہ فرق ہے اس فرق کی وجہ سے یہ تخصیص کی گئی تو ہم کہتے ہیں کہ حمل اس کی بھی اصل ہے اس کو اصل ٹھہرانا چاہیئے پھر حیرت یہ ہے کہ یوم الولادت دوشنبہ[2] کے روز عید نہ کریں اور تاریخ الولادت یعنی ۱۲ ربیع الاول کو عید مناویں یوم اثنین[3] میں تو حضور ﷺ نے ایک عبادت بھی کی ہے اور تاریخ ولادت میں تو کچھ بھی منقول نہیں ہے پس اس دلیل کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ ہر پیر کو عید کیا کریں غرض اس حدیث سے بھی مدعا موجدین کا ثابت نہیں ہوتا یہ تو ان حضرات کے نقلی دلائل تھے۔

عقلی طور پر مروجہ میلاد کی تردید

اب ہم اس بات میں عقلی گفتگو کرتے ہیں اس لیے کہ ان لوگوں میں بعضے عقل پرست بھی ہیں اور وہ اس عید میں کچھ عقلی مصلحتیں پیش کیا کرتے ہیں جو راجع[4] ہیں ملک اور قوم کی طرف اس لیے ہم اس طرز پر بھی اس مسئلہ کو بیان کیے دیتے ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ جس قدر عبادات شارع علیہ السلام[5] نے مقرر فرمائی ہیں ان کے اسباب بھی مقرر فرمائے ہیں اور اس اعتبار سے مامور بہ[6] کی چند قسمیں

---

(۱) عید منانا چاہیئے (۲) پیر کے دن (۳) پیر کا دن (۴) لوٹ رہی ہیں
(۵) حضور ﷺ (۶) حکم کردہ عبادت

نکلتی ہیں اول تو یہ کہ سبب میں تکرار[۱] یعنی سبب بار بار پایا جاتا ہو تو سبب کے مکرر ہونے سے مسبب بھی مکرر پایا جاوے[۲] گا مثلاً وقت صلوٰۃ[۳] کے لیے سبب ہے پس جب وقت آوے گا صلوٰۃ بھی واجب ہوگی اسی طرح صیام رمضان[۴] کے لیے شہود شہر[۵] سبب ہے، جب شہود شہر ہوگا صوم واجب ہوگا اور عید کے لیے فطر اور اضحیہ کے لیے یوم اضحیہ[۶] بھی اسی باب سے ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ مسبب بھی ایک اور سبب بھی ایک جیسے بیت اللہ شریف حج کے لیے چونکہ سبب ایک ہے اس لیے مامور بہ یعنی حج بھی عمر بھر میں ایک ہی فرض ہے یہ دونوں قسمیں تو مدرک[۷] بالعقل ہیں اس لیے کہ عقل بھی اسی کو مقتضی[۸] ہے کہ سبب کے تکرار اور توحد سے مسبب متکرر اور متوحد[۹] ہو۔

تیسری قسم یہ ہے کہ سبب ایک ہو اور مسبب کے اندر تکرار ہو جیسے حج کے طواف میں رمل کا سبب ارادہ قوت[۱۰] تھی اب وہ ارادہ قوت تو ہے نہیں اس لیے کہ قصہ اس کا یہ ہوا تھا کہ جب مدینہ طیبہ سے مسلمان حج کے لیے مکہ معظمہ آئے تو مشرکین نے کہا تھا کہ ان لوگوں کو یثرب[۱۱] کے بخار نے ضعیف اور بودا کردیا ہے تو حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ طواف میں رمل کریں یعنی شانے ہلاتے ہوئے اکڑ کر طواف کرو تاکہ ان کو قوت مسلمین کی مشاہدہ[۱۲] ہو اب وہ سبب تو نہیں لیکن مامور بہ یعنی رمل فی الطواف[۱۳] بحالہ باقی ہے یہ امر غیر مدرک[۱۴] بالعقل

---

(۱) اس کا سبب بار بار پایا جائے (۲) اس کے سبب بار بار پائے جانے کی وجہ سے عبادت بھی بار بار کی جائے گی (۳) نماز (۴) رمضان کے روزے کے لیے (۵) ماہ رمضان کا آنا (۶) قربانی کا دن (۷) عقل سے حاصل ہوتی ہیں (۸) تقاضا کرتی ہے
(۹) سبب کی زیادتی و اکیلے ہونے کے سبب یعنی عبادت میں بھی زیادتی یا اکیلا نہیں ہوتا
(۱۰) قوت دکھانا (۱۱) مدینہ (۱۲) مسلمانوں کی طاقت نظر آئے (۱۳) دوران طواف اکڑ کر چلنا اپنے حال پر باقی ہے (۱۴) یہ ایسا حکم ہے جو عقل سے معلوم نہیں ہوسکتا

ہے اور جوامر خلاف قیاس ہوتا ہے اس کے لیے نقل اور وحی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ عید میلادالنبی ﷺ کا سبب کیا ہے ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت کی تاریخ ہونا ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ تاریخ گزر گئی یا بار بار آتی ہے ظاہر ہے کہ وہ ختم ہو گئی کیونکہ اب جو ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ آتی ہے وہ اس خاص یوم الولادہ کی مثل[1] ہوتی ہے نہ کہ عین اور یہ ظاہر ہے کہ بس مثل کے لیے وہی حکم ثابت ہونا کسی دلیل نقلی کا محتاج ہوگا بوجہ غیر مدرک[2] بالعقل ہونے کے قیاس اس میں حجت نہیں ہوگا۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

لیکن یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے یوم الاثنین میں روزہ رکھنے کی وجہ ولدت فیہ (اس دن میں میری ولادت ہوئی ہے) سے فرمائی ہے تو اس میں بھی یہ کلام ہوسکتا ہے کہ یوم الولادۃ تو گذر گیا ہے اب یہ اس کا مثل ہے اس کو حکم اصل کا کیوں ہوا جواب یہ ہے کہ یہ صوم تو خود منقول ہے اور آپ نے وحی سے روزہ رکھا ہے اس لیے اس پر قیاس نہیں ہوسکتا۔

مروجہ میلاد پر عقلی دلیل اور اس کا جواب

اب ہم تبرعاً[3] ان حضرات کی بھی ایک عقلی دلیل لکھ کر اور اس کا جواب دیکر اس مضمون کو ختم کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ مقابلہ ہے اہل کتاب کا کہ وہ ولادت مسیح کے دن عید کرتے ہیں ہم مقابلہ کے لیے حضور ﷺ کے یوم ولادت میں عید کرتے ہیں تاکہ اسلامی شوکت ظاہر ہو۔

جواب یہ ہے کہ یہ تو اس وقت کسی درجہ میں صحیح ہوتا کہ جب ہمارے

---

(۱) مشابہ ہوتی ہے وہی نہیں ہوتی (۲) بوجہ عقل سے متعلق نہ ہونے کے (۳) احسان

یہاں اظہار شوکت کے ملیے کوئی شے[1] نہ ہو ہمارے یہاں جمعہ عیدین سب اظہار شعائر اسلام کے لیے ہیں دوسرے یہ کہ اگر ان کا مقابلہ ہی کرنا مقصود ہے تو ان کے یہاں اور دنوں میں بھی عیدیں اور میلے ہوتے ہیں تم کو بھی چاہیئے کہ ہر ہر دن کے مقابلہ میں تم بھی عید کیا کرو اسی طرح عاشورا کے دن تعزیہ داری بھی کیا کرو تا کہ اہل تشیع کا مقابلہ ہو چنانچہ بعض جاہل محض مقابلہ کے لیے ایسا کرتے بھی ہیں اور اگر جناب یہی مصلحت ہے تو ہندوؤں کے یہاں ہولی دوالی ہوتی ہے تم بھی ان کے مقابلہ کے لیئے ہولی دوالی کیا کرو۔ میں ایک قصہ بیان کرتا ہوں اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ اصل اور قاعدہ آپ کا بالکل بے اصل ہے حضور ﷺ ایک سفر میں تھے کفار نے ایک درخت بنا رکھا تھا اس پر ہتھیار لٹکاتے تھے اور اس کا نام ذات انواط[2] رکھا تھا بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اجعل لنا ذات انواط۔ یعنی یارسول اللہ ﷺ ہمارے لیے بھی آپ ایک ذات انواط مقرر فرمادیجیے یعنی کوئی ایسا درخت ہمارے لیے بھی آپ مقرر فرمادیجیے کہ اس پر ہم ہتھیار کپڑے وغیرہ لٹکادیا کریں دیکھیے بظاہر اس میں کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ کسی درخت پر کپڑے یا ہتھیار لٹکادینا ایک امر مباح[3] ہے اس میں تشبہ بھی کچھ نہیں لیکن چونکہ صورۃً ان کی مشابہت تھی اس لیے حضور ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا اور فرمایا سبحان اللہ یہ تو ایسی ہی بات ہوئی جیسے قوم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا "اجعل لنا الھا کمالھم آلھۃ"[4] (اے موسیٰ ہمارے لیے ایک ایسا ہی معبود مقرر کردیجیے جیسا کہ ان کے لیے یہ معبود ہیں) پس جب ہی مشابہت کو بھی حضور ﷺ نے ناپسند فرمایا تو جس صورت میں ان کی پوری شکل بنائی جاوے یہ تو

---

(۱) چیز (۲) نوط کی جمع ہے اس درخت کو کہتے ہیں جس پر ہتھیار کپڑے وغیرہ لٹکائے جاتے تھے
(۳) جائز کام ہے (۴) بدرجہ اولی

بطریق[۱] اولیٰ ناجائز ہوگا یہ اس بات میں گفتگو تھی جو اختصار کے ساتھ بیان کی گئی غرض عقل سے نقل سے ہر طرح بحمدللہ ثابت ہوگیا کہ یہ عید مخترع[۲] ناجائز اور بدعت واجب الترک ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو فرحت[۳] کا حکم ہوا ہے اور اس کی تحدید یا تجدید[۴] کا حکم نہیں بلکہ فرح دائم[۵] اور مسرت دائمی کا حکم ہے اس لیے کسی خاص دن کو اس کے لیے مخصوص نہ کریں اور ہر وقت اس آیت پر عمل کریں چونکہ یہ باب سرور اور فرحت کے مامور بہ ہونے کے باب میں ہے اس لیے میں اس کا نام السرور رکھتا ہوں اور عید میلاد النبی ﷺ پر چونکہ اس میں مفصل کلام ہے اس لیے اس کو ارشاد العباد فی عید المیلاد کے ملقب کرتا ہوں اب اللہ تعالیٰ سے دعا کریں[۶] کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرماویں اور بدعات اور تمام نامرضیات سے محفوظ رکھیں۔ آمین یا رب العالمین۔

---

(۱) یہ گھڑی ہوئی عید میلاد منانا: (۲) خوشی
(۳) اس کی حد متعین کرنے یا اس میں جدت کرنے کا حکم نہیں (۴) ہمیشہ کی خوشی
(۵) اپنی دعاؤں میں احقر محشی اور اس کی اولاد کو بھی یاد رکھیں

خلیل احمد